تبصرہ بر بیان پیش کردہ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب بعدالت تحقیقاتی فسادات پنجاب

اس تبصرہ کے لکھنے کی غرض یہ ہے کہ سید مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے اپنے تحریری بیان میں موجودہ ایجی ٹیشن کا پس منظر بیان کرتے ہوئے جو حوالہ جات اور امور پیش کئے ہیں ان کا جواب دیا جائے۔ اور اس میں ہمارے نزدیک جو خلاف واقعہ باتیں لکھی ہیں انھیں تحقیقاتی عدالت کے نوٹس میں لایا جائے:

جواب پیرا ۱۲: مولانا مودودی صاحب نے اس پیرا میں لکھا ہے کہ حضرت بانیٔ جماعت احمدیہ نے سنہ ۱۹۰۲ء میں جو نبوت کا صریح اور قطعی دعوٰی کیا۔ اس سے ان کے ماننے والوں اور عام مسلمانوں میں ایک مستقل نزاع قائم ہو گئی۔ یہ بات سراسر غلط ہے۔ کیونکہ واقعات یہ ہیں:

الف: آپ کی جس قدر مخالفت علماء کی طرف سے آپ کے دعوٰی کے بعد پہلے ۱۲ سالوں میں کی گئی۔ ویسی مخالفت سنہ ۱۹۰۲ء کے بعد ہرگز نہیں ہوئی۔ اور جس تنظیم سے سنہ ۱۸۹۰ء میں آپ پر ہندوستان کے ۲۰۰ علماء نے کفر اور خارج از اسلام ہونے کا فتوٰی دیا۔ سنہ ۱۹۰۲ء کے بعد ہرگز ایسا فتوٰی شائع نہیں ہوا۔

ب: حضرت بانیٔ جماعت احمدیہ نے جس قسم کی نبوت کا دعوٰی کیا۔ وہ مستقل قسم کی نبوت کا دعوٰی نہ تھا۔ بلکہ آپ نے آخر تک اپنی نبوت کو امتی اور ظلی نبوت قرار دیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

"یہ شرف مکالمہ و مخاطبہ کا مجھے محض آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے حاصل ہوا۔ اگر میں آنحضرت صلعم کی امت نہ ہوتا۔ اور آپ کی پیروی نہ کرتا۔ تو اگر دنیا کے تمام پہاڑوں کے برابر میرے اعمال ہوتے تو پھر بھی میں یہ شرف ہرگز نہ پاتا۔ کیونکہ اب بجز محمدی نبوت کے سب نبوتیں بند ہیں شریعت والا نبی کوئی نہیں آسکتا۔ اور بغیر شریعت کے نبی ہوسکتا ہے۔ مگر وہی جو پہلے امتی ہو۔" (تجلیات الٰہیہ ص ۲۵ سنہ ۱۹۰۲ء)

پھر فرماتے ہیں:۔

"پہلے زمانوں میں جو کوئی نبی ہوتا تھا وہ کسی نبی کی امت نہیں کہلاتا تھا۔ گو اسکے دین کی نصرت کرتا تھا۔ اور اسکو سچا جانتا تھا مگر آنحضرت صلعم کو ایک خاص فخر دیا گیا ہے۔ کہ وہ ان معنوں سے خاتم الانبیاء ہیں کہ ایک تو تمام کمالات نبوت ان پر ختم ہیں۔ اور دوسرے یہ کہ ان کے بعد کوئی نئی شریعت لانے والا رسول نہیں۔ اور نہ کوئی ایسا نبی ہے۔ جو ان کی امت سے باہر ہو۔ بلکہ ہر ایک شرف مکالمہ و مخاطبہ الٰہیہ جو ملتا ہے۔ وہ انہی کے فیض اور انہی کی وساطت سے ملتا ہے۔ اور وہ امتی کہلاتا ہے نہ کوئی مستقل نبی" (تتمہ چشمہ معرفت ص ۹۰-۹۱ سنہ ۱۹۰۸ء)

پھر اپنی بعثت کا مقصد بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"اے تمام وہ لوگو جو زمین پر رہتے ہو۔ اور اے تمام انسانی روحو جو مشرق اور مغرب میں آباد ہو۔ میں پورے زور کے ساتھ آپ کو دعوت کرتا ہوں کہ اب زمین پر سچا مذہب صرف اسلام ہے اور سچا خدا وہی خدا ہے جو قرآن نے بیان کیا ہے۔ اور ہمیشہ کی روحانی زندگی والا نبی اور جلال اور تقدس کے تخت پر بیٹھنے والا حضرت محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم ہے۔ جس کی روحانی زندگی اور پاک جلال کا ہمیں یہ ثبوت ملا ہے۔ کہ اس کی پیروی اور محبت سے ہم روح القدس اور خدا کے مکالمہ اور آسمانی نشانوں کے انعام پاتے ہیں" (تریاق القلوب ص ۷ سنہ ۱۸۹۹ء)

ج: حضرت بانیٔ جماعت احمدیہ کا دعوٰی جیسا کہ اوپر کے حوالہ جات سے ظاہر ہے امتی نبی ہونے کا ہے۔ اور آپ سے پہلے کوئی امتی نبی نہیں گزرا۔ اس لئے مولانا مودودی صاحب کا یہ کہنا کہ نبی کے ماننے والے الگ امت ہو جاتے ہیں۔ اور نہ ماننے والے الگ۔ حضرت بانیٔ جماعت احمدیہ اور احمدیوں کے عقیدہ کے صریحاً مخالف ہے۔ بانیٔ جماعت احمدیہ بھی امت محمدیہ میں سے ہیں۔ اور ہمارا عقیدہ ہے کہ امتی نبی کے انکار سے کوئی مسلمان امت محمدیہ سے خارج نہیں ہو سکتا۔

اس سے معزز عدالت سمجھ سکتی ہے۔ کہ مودودی صاحب نے نئی امت کا جو نظریہ پیش کیا ہے۔ وہ احمدی عقیدہ کے بالکل مخالف ہے۔ اور حضرت بانیٔ جماعت احمدیہ نے کوئی نئی امت نہیں بنائی۔

د: مولانا مودودی صاحب کا یہ کہنا کہ سنہ ۱۹۰۲ء کے بعد جب آپ نے دعوٰی نبوت کیا۔ تو مسلمانوں کے تمام فرقوں نے بالاتفاق مرزا صاحب کو اور ان لوگوں کو کافر قرار دیا۔ جو ان پر ایمان لے آئے خلاف واقعہ ہے۔ سنہ ۱۹۰۲ء کے بعد کوئی فتوٰی ایسا شائع نہیں ہوا جیسا کہ مولانا مودودی صاحب نے لکھا ہے۔ برعکس اس کے تعلیم یافتہ اور سمجھدار طبقہ بالعموم ہمیشہ آپ کی اور آپ کی جماعت کی اسلامی خدمات کو سراہتا رہا۔ اور آپ کو بہترین مسلمان سمجھتا رہا۔ چنانچہ آپ کی وفات پر جو ۲۶ مئی سنہ ۱۹۰۸ء کو ہوئی اخبارات نے آپ کے متعلق جو رائے ظاہر کی وہ بطور نمونہ درج ذیل ہے۔

(۱) مولوی ظفر علی خان صاحب کے والد ماجد مولوی سراج الدین صاحب مالک و ایڈیٹر اخبار زمیندار نے آپ کی وفات پر جو ۲۶ مئی سنہ ۱۹۰۸ء کو ہوئی اخبار زمیندار میں لکھا۔

"ہم چشم دید شہادت سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ جوانی میں بھی آپ نہایت صالح اور متقی بزرگ تھے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ گو ہمیں ذاتی طور پر مرزا صاحب کے دعاوی یا الہامات کے قائل اور معتقد ہونے کی عزت حاصل نہیں ہوئی۔ مگر ہم ان کو ایک پکا مسلمان سمجھتے تھے۔"

(۲) مولوی سید ممتاز علی صاحب ایڈیٹر اخبار تہذیب النسواں نے لکھا۔

"مرزا صاحب مرحوم نہایت مقدس اور برگزیدہ بزرگ تھے۔ اور نیکی کی ایسی قوت رکھتے تھے۔ جو سخت سے سخت دلوں کو تسخیر کر لیتی تھی۔ وہ نہایت باخبر عالم بلند ہمت مصلح اور پاک زندگی کا نمونہ تھے۔ ہم انہیں مذہباً مسیح موعود تو نہیں مانتے لیکن ان کی ہدایت اور راہ نمائی مردوں کے لئے واقعی مسیحائی تھی۔"

(۳) اخبار وکیل امرتسر نے لکھا۔

"مرزا صاحب کی اس رحلت نے ان کے بعض دعاوی اور بعض معتقدات سے شدید اختلاف کے باوجود ہمیشہ کی مفارقت پر مسلمانوں کو اور ہاں تعلیم یافتہ اور روشن خیال مسلمانوں کو محسوس کرا دیا۔ کہ ان کا ایک بہت بڑا شخص ان سے جدا ہو گیا۔ اور اس کے ساتھ مخالفین اسلام کے مقابلہ پر اسلام کی اس شاندار مدافعت کا جو اس کی ذات سے وابستہ تھی خاتمہ ہو گیا۔ ان کی یہ

خصوصیت تھی کہ وہ اسلام کے مخالفین کے برخلاف ایک فتح نصیب جرنیل کا فرض پورا کرتے رہے"۔

"غرض مرزا صاحب کی یہ خدمت آنیوالی نسلوں کو گرانبار احسان رکھے گی کہ انہوں نے قلمی جہاد کرنے والوں کی پہلی صف میں شامل ہو کر اسلام کی طرف سے فرض مدافعت ادا کیا۔ اور ایسا لٹریچر یادگار چھوڑا۔ جو اس وقت تک کہ مسلمانوں کی رگوں میں زندہ خون رہے اور حمایت اسلام کا جذبہ ان کے شعار قومی کا عنوان نظر آئے قائم رہیگا"۔

جواب پیرا ۲۔

اس پیرا میں مولانا مودودی صاحب نے شدت نزاع کی تین وجوہات بیان کی ہیں

(۱) تبلیغی سرگرمیاں اور بحث و مباحثہ کی دائمی عادت۔

مباحثات کی ابتدا مولویوں کی طرف سے ہوئی۔ سب سے پہلے مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اور دہلی کے مولویوں نے ۱۸۹۱ء میں مباحثہ کی طرح ڈالی۔ اور انہوں نے حضرت بانی جماعت احمدیہ کے خلاف اشتہارات شائع کئے۔ جن میں آپ کو کافر اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا گیا۔ آخرکار دہلی میں مولوی محمد بشیر صاحب بھوپالوی سے اور لدھیانہ میں مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی سے تحریری اور تقریری مباحثات ہوئے۔ اور اسی طرح دوسرے مولوی بھی مباحثات کے لئے چیلنج دیتے رہے۔ یہاں تک کہ آپ نے ۱۸۹۷ء میں اپنی کتاب انجام آتھم میں یہ اعلان کیا جس کا اردو ترجمہ از عربی عبارت یہ ہے

"اب وقت آگیا ہے کہ ہم ان مباحثات سے منہ پھیرلیں۔ سوائے اس کے کہ سوال کرنے والوں کے شبہات کا رد کریں۔ اور اب ہم نے ارادہ کر لیا ہے کہ ان توضیحات کے بعد ہم ان علما کو مخاطب نہیں کریں گے۔ اگرچہ وہ اپنی عادت کے مطابق ہمیں گالیاں دیں"۔ (انجام آتھم ص۲۸۲)

لیکن اس اعلان کے باوجود مولوی مباحثات کے لئے بلاتے رہے۔ چنانچہ پیر مہر علی شاہ گولڑوی نے باربار آپ کو مباحثے کے لئے بلایا۔ اور حضرت بانی جماعت احمدیہ نے اپنے اس اعلان کی طرف توجہ دلاتے ہوئے انکار کیا اور لکھا کہ اگر وہ حق و باطل میں تمیز چاہتے ہیں۔ تو وہ بالمقابل عربی میں تفسیر لکھنے کیلئے آمادہ ہوں۔ جس کے لئے وہ تیار نہ ہوئے۔ اور حضرت امام جماعت احمدیہ نے بھی متعدد بار اس قسم کے مناظرات پر ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا۔ اور مناظرات سے حتی الامکان اجتناب رکھنے کی ہدایت دی۔ لیکن باوجود اس کے علماء عوام الناس کو آپ کے خلاف بھڑکاتے اور جگہ جگہ آپ کے خلاف تقریروں اور تحریروں کے ذریعہ زہر اگلتے غلط عقائد منسوب کرتے آپ کے اور آپ کے پیروؤں کے خلاف اشتعال دلا کر فتنہ برپا کرانے سے باز نہ آئے۔ اور نہ تکفیر کو چھوڑا اور اشتعال انگیزی کو جاری رکھا۔ اور مباحثات کے چیلنج دیئے۔ تب بصورت مجبوری احمدیوں کو ان سے مباحثات کرنے پڑے۔ اس میں شک نہیں کہ احمدیوں نے اپنے ان خیالات کا اظہار کیا۔ جنہیں وہ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کے لحاظ سے درست سمجھتے ہیں۔ اور جن کا انہیں حق حاصل ہے۔ قانون کے اندر رہتے ہوئے تقریر اور تحریر کے ذریعہ پیش کرتے رہے اور خود مولانا مودودی صاحب اس حق کو سب کے لئے پیرا ۱۵ زیر عنوان "قادیانی جماعت کے متعلق میرا اور جماعت اسلامی کا طرز عمل" زیر (۱) تسلیم کرتے ہیں۔

"جمہوری نظام میں کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا۔ خواہ وہ حکومت ہی کیوں نہ ہو کہ وہ کسی معاملہ میں ایک رائے رکھنے سے یا اپنی رائے کو معقولیت کے ساتھ بیان کرنے سے باز رکھے"۔

پس احمدیوں کے اپنے خیالات کے اظہار کرنے پر مولانا مودودی صاحب کو کیوں اعتراض ہے؟ ہرچہ برخود میپسندی بردیگراں ہم میپسند

(۲) دوسری وجہ مولانا مودودی صاحب نے یہ بیان کی ہے کہ ان تبلیغی سرگرمیوں اور بحثوں کا زیادہ تر مسلمانوں کے خلاف ہونا۔

حضرت بانی جماعت احمدیہ نے سب سے پہلے آریہ سماج برہمو سماج اور عیسائیوں کے اعتراضات کے جوابات دیئے۔ اور ان سے مباحثات کئے۔ اور ان کی خلاف اسلام تحریروں اور کتابوں کے رد میں کتابیں لکھیں اور سینکڑوں مضامین ان کے عقائد کی تردید میں اور اسلام کی تائید میں اخبارات اور رسالہ جات میں شائع کرائے۔ آپ کی کتب براہین احمدیہ چہار جلد سرمہ چشم آریہ چشمہ معرفت۔ آریہ دھرم وغیرہ اس پر شاہد ہیں۔ ۱۸۹۳ء میں اجنالہ ضلع امرتسر کے غیر احمدی مسلمانوں کو جب عیسائیوں نے مباحثہ کا چیلنج دیا۔ تو انہوں نے حضرت بانی جماعت احمدیہ سے درخواست کی۔ آپ ان کی طرف سے وکیل ہو کر عیسائیوں سے مناظرہ کریں چنانچہ یہ مباحثہ بمقام امرتسر تحریری اور تقریری ہوا اور پندرہ دن تک جاری رہا۔ اخبار وکیل کا یہ فقرہ بھی ہمارے اس بیان کی تائید کرتا ہے۔ جو اس نے حضرت بانی جماعت احمدیہ کی وفات پر جو ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو ہوئی لکھا۔

"مرزا صاحب کا لٹریچر جو مسیحیوں اور آریوں کے مقابلہ پر ان سے ظہور میں آیا قبول عام کی سند حاصل کر چکا ہے۔ اور اس خصوصیت میں وہ کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ اس لٹریچر کی قدر و عظمت جبکہ وہ اپنا کام پورا کر چکا ہے ہمیں دل سے تسلیم کرنی پڑتی ہے...... غرض مرزا صاحب کی یہ خدمت آنے والی نسلوں کو گرانبار احسان رکھے گی کہ انہوں نے قلمی جہاد کرنے والوں کی پہلی صف میں شامل ہو کر اسلام کی طرف سے فرض مدافعت ادا کیا۔ اور ایسا لٹریچر یادگار چھوڑا جو اس وقت تک کہ مسلمانوں کی رگوں میں زندہ خون رہے۔ اور حمایت اسلام کا جذبہ ان کے شعار قومی کا عنوان نظر آئے قائم رہے گا۔ اسکے علاوہ آریہ سماج کی زہریلی کچلیاں توڑنے میں مرزا صاحب نے اسلام کی بہت خاص خدمت انجام دی ہے"۔

اسی طرح اخبار صادق الاخبار ریواڑی نے لکھا۔

"چونکہ مرزا صاحب نے اپنی پرزور تقریروں اور شاندار تصانیف سے مخالفین اسلام کو ان کے لچر اعتراضات کے دندان شکن جواب دیکر ہمیشہ کے لئے ساکت کر دیا ہے اور کر دکھایا ہے کہ حق حق ہی ہے۔ اور واقعی مرزا صاحب نے حق حمایت اسلام کا کماحقہ ادا کر کے خدمت دین اسلام میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ انصاف متقاضی ہے کہ ایسے اولوالعزم حامی اسلام اور معین المسلمین فاضل اجل عالم بے بدل کی ناگہانی اور بے وقت موت پر افسوس کیا جائے"۔

چونکہ مسلمان مولوی پبلک جلسے منعقد کر کے جماعت احمدیہ کی طرف غلط عقائد منسوب کرتے اور جگہ بجگہ غلط فہمیاں پھیلاتے تھے اس لئے ان کی تردید کے لئے بھی اپنے اصل عقائد لوگوں کو بتلانے کے لئے احمدی اپنے جلسے منعقد کرتے رہے۔

حضرت بانی جماعت احمدیہ نے ۱۸۹۷ء میں اپنی کتاب انجام آتھم کے ضمیمہ میں علماء کو مخاطب کر کے صلح کی دعوت دی۔

"کہ وہ مجھ سے اور میری جماعت سے سات سال تک اس طور سے صلح کر لیں کہ تکفیر اور تکذیب اور بدزبانی سے منہ بند رکھیں۔ اور ہر ایک کو محبت و اخلاق سے ملیں اور قہر الٰہی سے ڈر کر ملاقاتوں میں مسلمانوں کی عادت کے طور پر پیش آویں۔ ہر ایک قسم کی شرارت اور خباثت کو چھوڑ دیں۔ پس اگر ان سات سال میں میری طرف سے خدا تعالیٰ کی تائید سے اسلام کی خدمت میں نمایاں اثر ظاہر نہ ہوں اور جیسا کہ مسیح کے ہاتھ سے ادیان باطلہ کا مر جانا ضروری ہے۔ یہ موت جھوٹے دینوں پر میرے ذریعہ سے ظہور میں نہ آئے۔ یعنے خدا تعالیٰ میرے ہاتھ سے وہ نشان ظاہر نہ کرے جن سے اسلام کا بول بالا ہو۔ اور جس سے ہر ایک طرف سے اسلام میں داخل ہونا شروع ہو جائے۔ اور عیسائیت کا باطل معبود فنا ہو جائے۔ اور دنیا اور رنگ نہ پکڑ جائے۔ تو میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں۔ کہ میں اپنے تئیں کاذب خیال کر لوں گا۔ اور خدا جانتا ہے کہ میں کاذب نہیں ہوں۔ یہ سات برس کچھ زیادہ سال نہیں ہیں۔ اور اس قدر انقلاب اس تھوڑی مدت میں ہو جانا انسان کے اختیار میں ہرگز نہیں"۔ (ضمیمہ انجام آتھم ص۲۸، ۳۵)

(۳) تیسری بات جو مولانا مودودی صاحب نے مسلمانوں کی وجہ اشتعال بتائی ہے وہ یہ ہے کہ احمدی مسلمانوں میں اسلام کے نام پر تبلیغ کرتے اور ناواقف مسلمان یہ سمجھ کر کہ وہ ملت اسلامیہ سے نکلکر کسی اور ملت میں نہیں جارہے۔ ان کے مذہب میں داخل ہو جاتے ہیں معزز عدالت سمجھ سکتی ہے کہ کیا یہ وجہ اشتعال ہو سکتی ہے؟

جب تمام وہ مسلمان جو جماعت میں داخل ہوئے یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ ملت اسلامیہ سے علیحدہ نہیں۔ بلکہ ملت اسلامیہ میں سے ہی ہیں۔ یہ بات ان لوگوں کے لئے جو اپنے آپ کو ملت اسلامیہ سے قرار دیتے ہیں وجہ اشتعال کیونکر ہو سکتی ہے یہ ثبوت ہے اس بات کا کہ حضرت بانی جماعت احمدیہ نے کوئی امت نہیں بنائی۔ بلکہ ہر مسلمان جس نے آپکے دعوے کو قبول کیا وہ یہی اعتقاد رکھتا ہے کہ وہ ملت اسلامیہ میں سے ہی ہے مولانا مودودی صاحب کے بیان کا ماحصل یہ ہے کہ مسلمانوں کا اسلام چھوڑ کر عیسائی بن جانا یا ہندو بن جانا تو مسلمانوں کے اشتعال کی وجہ نہیں۔ لیکن اگر کوئی مسلمان آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ایک خادم مسلمان کو مسیح موعود مان کر ملت اسلامیہ میں رہے۔ اور بقول حضرت بانی جماعت احمدیہ یہ علانیہ کہے

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں
دل سے ہیں خدام ختم المرسلیں
شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں
خاک راہ احمد مختار ہیں

(ازالہ اوہام حصہ دوم ص۷۶۴ مطبوعہ ۱۸۹۱ء)

نیز یہ کہے کہ

ما مسلمانیم از فضل خدا
مصطفیٰ ما را امام و پیشوا

(درثمین فارسی ص۱۰۲ مطبوعہ لاہور آرٹ پریس بحوالہ سراج منیر)

تو مولانا مودودی صاحب کے نزدیک احمدیوں کا یہ اعلان دوسرے مسلمانوں کے لئے وجہ اشتعال بن جاتا ہے

مولانا مودودی صاحب کی ایک صریح غلط بیانی

جواب پیرا ۳۔

اس پیرا میں شدت نزاع کی ایک وجہ مولانا مودودی صاحب نے یہ بیان کی ہے کہ احمدیوں اور غیر احمدیوں کے مابین وہی تعلقات ہو سکتے ہیں۔ جو مسلمانوں اور عیسائیوں یا یہودیوں کے درمیان ہوتے ہیں۔ یعنے ایک احمدی غیر احمدی کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا۔ اس کی یا اس کے بچہ کی نماز جنازہ نہیں پڑھ سکتا۔ اس کی بیٹی لے سکتا ہے۔ مگر اسکو بیٹی دے نہیں سکتا۔ اس فتوے کا ردعمل مسلمانوں کی طرف سے بھی ایسے طرز عمل کی صورت میں رونما ہوا۔ اور اس طرح دونوں گروہوں میں معاشرتی مقاطعہ کی حالت پیدا ہو گئی۔

مولانا مودودی صاحب کی یہ ایک نہایت صریح غلط بیانی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت بانی جماعت احمدیہ نے جب ۱۸۹۰ء میں مسیح موعود ہونے کا دعوےٰ کیا۔ تو اس وقت سے مولویوں نے آپ پر کفر کا فتوےٰ لگایا۔ احمدیوں کی نماز جنازہ حرام قرار دی۔ اور ان سے تعلقات ازدواجی

کو حرام قرار دیا، اور ان سے ہر قسم کے تعلقات معاشرتی امور میں مقاطعہ کی صورت پیدا کی چنانچہ صوفیائے و علمائے لدھیانہ مولوی محمد صاحب اور مولوی عبد اللہ اور مولوی عبد العزیز صاحب نے ۱۸۹۰ء میں یہ فتوے دیا۔

"چونکہ ہم نے فتوے ۱۳۰۱ھ مرزا مذکور کو دائرہ اسلام سے خارج ہونے کا جاری کر دیا تھا یہ شخص اور ہم عقیدہ اس کے اہل اسلام میں داخل نہیں۔ اور اب بھی ہمارا یہی دعوے ہے کہ یہ شخص اور جو لوگ اس کے عقائد باطلہ کو حق جانتے ہیں شرعاً کافر ہیں خلاصہ مطلب ہماری تحریرات قدیمہ اور جدیدہ کا یہی ہے کہ یہ شخص مرتد ہے اور اہل اسلام کو ایسے شخص سے ارتباط رکھنا حرام ہے۔ جیسا کہ ہدایہ وغیرہ کتب فقہ میں یہ مسئلہ موجود ہے۔ اور جو لوگ اسپر عقیدہ رکھتے ہیں وہ بھی کافر ہیں۔" (رسالہ اشاعۃ السنہ از صلاح لغایت دوازدہم مطبوعہ ۱۸۹۰ء)

اور مولوی سید نذیر حسین صاحب محدث دہلوی نے یہ فتوے دیا۔

"کہ اب مسلمانوں کو چاہیئے کہ ایسے دجال کذاب سے احتراز اختیار کریں، اور اس سے دینی معاملات نہ کریں۔ جو اہل اسلام میں باہم ہونے چاہئیں۔ نہ انکی صحبت اختیار کریں۔ اور نہ اس کو ابتداءً سلام کریں۔ اور نہ ان کو دعوت مسنون میں بلاویں اور نہ اس کی دعوت قبول کریں۔ اور نہ اس کی نماز جنازہ پڑھیں۔ اگر اعتقادات پر رحلت کرے۔ اور اس فتوے کی تصدیق علمائے دہلی آگرہ حیدر آباد بنگال نے کی۔ (رسالہ اشاعۃ السنہ صلاح جلد ۱۳ ۱۸۹۰ء) اس پر قریباً ... ۲ مولویوں نے دستخط کئے۔

اسی طرح مولوی عبد الصمد غزنوی نے لکھا

"کہ یہ گمراہ کرنے والا چھپا مرتد ہے بلکہ وہ اپنے شیطان سے زیادہ گمراہ ہے جو اس سے کھیل رہا ہے۔ اگر یہ اپنے اس اعتقاد پر مر جائے اس کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے، اور نہ یہ مسلمانوں کی قبروں میں دفن کیا جائے۔ تاکہ اہل قبور اس سے ایذا نہ پائیں۔"

(اشاعۃ السنہ جلد ۱۳ ص ۱۸۹۳ء)

پھر اسی طرح ۱۸۹۳ء میں قاضی عبید اللہ صاحب مدراسی نے یہ فتوے دیا کہ:۔

"وہ شرع شریعت کی رو سے مرتد زندیق دکافر ہے اور بمصداق ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے تیس دجالوں میں سے ایک ہے، اور جس نے اس کی تابعداری کی وہ بھی کافر و مرتد ہے، اور شرعاً مرتد کا نکاح فسخ ہو جاتا ہے۔ اور اس کی عورت حرام ہوتی ہے اور اپنی عورت کے ساتھ جو وطی کریگا۔ سو وہ زنا ہے اور ایسی حالت میں جو اولاد پیدا ہوتی ہے وہ ولد الزنا ہوتی ہے۔ اور مرتد بغیر توبہ کے مر گیا تو اسپر نماز جنازہ نہیں پڑھنا اور اس کو مقابر اہل اسلام میں دفن نہیں کرنا، بلکہ بغیر غسل و کفن کے کتے کی مانند گڑھے میں ڈال دینا۔" (فتوے در تکفیر منکر عروج جسمی و نزول حضرت عیسے علیہ السلام مطبوعہ ۱۳۱۱ھ در مطبع محمدی واقع مدراس)

(طبع اول صفحہ ۲۶-۲۷)

اور مولانا عبد الاحد خان پوری نے لکھا ہے۔

"جب طائفہ مرزائیہ امرتسر میں بہت ذلیل و خوار ہوئے جمعہ و جماعت سے نکالے گئے اور جس مسجد میں جمع ہو کر نمازیں پڑھتے تھے اس میں سے بے عزتی کے ساتھ بدر کئے گئے، اور جہاں قیصری باغ میں نماز جمعہ پڑھتے تھے وہاں سے حکماً روکے گئے تو نہایت تنگ ہو کر مرزا کے قادیانی سے اجازت مانگی کہ مسجد نئی تیار کریں۔ تب مرزا نے ان کو کہا کہ صبر کرو میں لوگوں سے صلح کرتا ہوں اگر صلح ہو گئی تو مسجد بنانے کی کچھ حاجت نہیں۔ اور نیز اور بہت سی ذلتیں اٹھائیں معاملہ و برتاؤ مسلمانوں سے بند ہو گیا۔ عورتیں منکوحہ و مخطوبہ بوجہ مرزائیت کے چھین گئیں۔ مردے ان کے بے تجہیز و تکفین اور بے جنازہ گڑھوں میں دبائے گئے وغیرہ وغیرہ تو کذاب قادیانی نے یہ اشتہار مصالحت کا دیا۔" (اظہار مخادعہ مسیلمہ قادیانی بجواب اشتہار مصالحت یونس ثانی فی الملقب بہ کشف الغشا عن ابصار اہل العمی ۱۳۱۹ھ / ۱۹۰۱ء)

ان فتاوے کی موجودگی میں مولانا مودودی صاحب کا یہ کہنا کہ غیر احمدیوں کا فعل احمدیوں کے ۱۹۰۲ء کے بعد کے رویہ کا رد عمل تھا کسی طرح درست نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ان فتاوے سے ظاہر ہے کہ غیر احمدی علماء نے حضرت بانیٔ جماعت احمدیہ کو شروع دعوے سے ہی کافر اور مرتد ہونے کا فتوے دیدیا تھا۔ اور جنازہ پڑھنے اور لڑکیوں کو احمدیوں کے عقد نکاح میں دینے سے منع کر دیا تھا۔ ہم چیلنج کرتے ہیں کہ علماء کے جماعت احمدیہ کے خلاف مذکورہ بالا فتووں سے پہلے کا کوئی ایک فتوے دکھایا جائے جو بانیٔ جماعت احمدیہ نے ان کے خلاف دیا ہو۔

اسی طرح مولانا مودودی صاحب کا یہ کہنا بھی درست نہیں کہ یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح مسلمانوں اور احمدیوں نے آپس میں معاشرتی امور میں سلوک روا رکھا۔ کیونکہ اب تک غیر احمدی مسلمان اپنی لڑکیوں کا نکاح احمدی مردوں سے کرتے ہیں اسی طرح کئی مثالیں احمدیوں کی بھی پائی جاتی ہیں جنہوں نے غیر احمدی مسلمانوں سے اپنی لڑکیوں کے نکاح کئے۔ اور مولانا مودودی صاحب ہرگز یہ ثابت نہیں کر سکتے کہ کسی احمدی نے عیسائی ہندو یا یہودی کو اپنی لڑکی نکاح میں دی ہو۔ رہا نماز پڑھنے کا سوال تو اس میں بھی غیر احمدی مولویوں نے پہل کی۔ جیسے کہ ان کے فتووں سے ظاہر ہے بلکہ احمدیوں کو اپنی مسجدوں میں داخل ہونے سے روک دیا۔ اور امامت نماز کے لئے تو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایک گنہگار مسلمان ایک مومن کا امام نہیں ہو سکتا۔ اور خود مولانا مودودی صاحب لکھتے ہیں۔

"کہ نماز کی امامت اور خطابت کے لئے جاہل اور فاسق شخص کو دانستہ پسند کرنا ایک گناہ ہے۔" (ترجمان القرآن بابت اگست ۱۹۴۹ء ص ۱۵)

پھر مولانا مودودی صاحب کو خوب علم ہے کہ شیعہ سنیوں کے پیچھے اس طرح بریلوی دیو بندیوں کے پیچھے اور دوسرے مختلف فرقے باوجود مسلمان کہلانے کے ایک دوسرے کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے مثلاً شیعوں کے متعلق لکھا ہے۔

"شیعہ اثنا عشریہ قطعاً خارج از اسلام ہیں شیعوں کے ساتھ مناکحت قطعاً ناجائز اور ان کا ذبیحہ حرام۔ ان کا چندہ مسجد میں لینا نارو ا۔ انکا جنازہ پڑھنا یا اپنے جنازوں میں شریک کرنا جائز نہیں" (ملاحظہ فتوے شائع کردہ مولوی محمد عبد الشکور مدیر النجم لکھنؤ جس میں علمائے دیو بند کے علاوہ دیگر علما کے دستخط بھی ثبت ہیں)

اسی طرح بریلوی حضرات دیو بندیوں کے متعلق اس قسم کا فتوے صادر کر چکے ہیں۔

"کہ وہ کافر اور مرتد ہیں جو ان کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے مسلمانوں کو چاہیئے کہ ان سے بالکل محترز اور مجتنب رہیں۔ ان کے پیچھے نماز پڑھنے کا تو ذکر ہی کیا۔ اپنے پیچھے بھی ان کو نماز نہ پڑھنے دیں۔ اور نہ ہی اپنی مسجدوں میں ان کو گھسنے دیں نہ ان کا ذبیحہ کھائیں۔ اور نہ ہی ان کی شادی غمی میں شریک ہوں۔ نہ اپنے ہاں ان کو آنے دیں۔ یہ بیمار ہوں۔ تو ان کی عیادت کو نہ جائیں مریں تو گاڑنے میں ان کی شرکت نہ کریں مسلمانوں کے قبرستان میں جگہ نہ دیں۔" (ملاحظہ ہو ...۳ علماء اہلسنت والجماعت کا فتوے مطبوعہ حسن برقی پریس اشتیاق منزل ۶۳۲ ہیوٹ روڈ لکھنؤ)

پھر ان علماء اہلسنت والجماعت نے اہلحدیث مسلمانوں کے متعلق بھی اسی قسم کا فتوے دیا۔

"مرتد ہیں باجماع امت اسلام سے خارج ہیں جو انکے اقوال کا معتقد ہوگا کافر اور گمراہ ہوگا۔ ان کے پیچھے نماز پڑھنے اور ان کے جنازہ کی نماز پڑھنے ان کے ہاتھ کا ذبیحہ کھانا اور تمام معاملات میں ان کا حکم بجنسہ وہی ہے جو مرتد کا ہے۔" (فتوے علماء کرام مشتہرہ در اشتہار شیخ پیر محمد قادری باغ مولوی انوار لکھنؤ ۳ شوال ۱۳۵۲ھ اجمیر۔ ۷۰ علمائے دستخط ہیں۔ جن میں مولوی سید احمد ناظم انجمن حزب الاحناف لاہور، مولانا ابو الحسنات سید محمد احمد خطیب مسجد وزیر خاں لاہور، مولوی عبد القدیر بدایونی اور پیر جماعت علی شاہ علی پوری بھی شامل ہیں)

اور شیعہ صاحبان کا بھی سنیوں کے متعلق اسی قسم کا فتوے ہے چنانچہ شیعہ فرقہ کے مجتہد العصر مولوی علی الحائری فرماتے ہیں۔

"ایک فرقہ امامیہ ہی بہتر ۷۲ فرقوں سے اصول فروع میں چونکہ علیحدہ ہے۔ اس لئے مبشر بالنجات یہی فرقہ ہو سکتا ہے۔

(۱) سب سے پہلے کلمہ طیبہ ہے جسکو بہتر فرقے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ صرف پڑھتے ہیں مگر امامیہ علی ولی اللہ اسکے ہمراہ پڑھتے ہیں

(۲) امامیہ اثنا عشریہ خدا کی رویت کے قائل نہیں اور وہ رویت کا اعتقاد رکھتے ہیں

(۳) شیعہ تمام انبیا اور ائمہ اثنا عشریہ علیہم السلام کو معصوم و مطہر جانتے ہیں۔ اور وہ نہیں مانتے۔

(۴) شیعہ حضرت امیر المومنین امام المتقین اسد اللہ الغالب علی ابن ابی طالب علیہ السلام کو خلیفہ بلافصل اور پیغمبر آخر الزمان صلعم مانتے ہیں۔ اور ان کے اور انکی اولاد سے ۱۱ فرزند امام مہدی آخر الزمان علیہ السلام تک یکے بعد دیگرے خلیفۃ الرسول امام برحق مانتے ہیں لیکن باقی بہتر فرقے پہلا خلیفہ ابوبکر دوسرا عمر تیسرا عثمان چوتھا علی علیہ السلام کو جانتے ہیں (۵) شیعہ تبرا یعنے دشمنان اہلبیت علیہ السلام پر لعنت کہتے ہیں اور منافقوں، ظالموں فاسقوں سے بیزاری چاہتے ہیں۔ باقی ۷۲ فرقے ایسا نہیں کرتے بلکہ اسی وجہ سے شیعوں کے جانی اور مالی دشمن ہیں (۶) شیعہ اذان میں اشہد ان علیاً ولی اللہ اور دو دفعہ حی علی خیر العمل کہتے ہیں اور وہ نہیں کہتے۔ (۷) شیعہ امام مہدی آخر الزمان علیہ السلام کو زندہ موجود اور نظر سے غائب مانتے ہیں۔ اور وہ ایسا نہیں جانتے (وغیرہ ۲۱ اختلاف درج کرکے لکھا) خلاصہ۔ تمام اصول اور فروع میں یہی ایک شیعہ فرقہ بہتر فرقوں سے علیحدہ ہے۔ جس کا جوڑ کسی صورت میں ان کے ساتھ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ بڑے بڑے مسائل اصول فروع میں ان کا سخت اختلاف ہے اس لئے تمام اسلامی فرقے شیعہ کو مخالف سمجھتے ہیں۔ لیکن حدیث مذکور کے مطابق یہی ایک فرقہ باقی فرقوں سے بالکل جدا ہونے کی وجہ سے ناجی اور بہشتی ہے۔" (فتوے حائری حصہ دوم از افادات عالیہ حجۃ الاسلام المسلمین صدر المفسرین سلطان المحدثین محی الملت والدین رئیس الشریعہ مدار الشریعہ نباض دہر حکیم الامۃ الناجیہ سرکار شریعت مدار شمس العلماء علامہ سید الحائری صاحب قبلہ مجتہد العصر والزمان بار سوم صفحہ ۶۰)

نیز فرماتے ہیں۔

"فرقہ حقہ شیعہ کے نزدیک شیعہ عورت کا نکاح کسی غیر شیعہ اثنا عشریہ کے ہمراہ اس لئے ناجائز ہے کہ غیر اثنا عشری کو وہ مومن نہیں سمجھتے، جو مسلمان کہ غیر اثنا عشری عقیدہ رکھتا ہو شیعوں کے نزدیک وہ مومن نہیں مسلمان ہے ایسی صورت میں باوجود عالم مسئلہ ہونے کے اگر ایسا نکاح واقع ہو جائے۔ تو وہ نکاح باطل ہے ان کی اولاد بھی شرعاً ولد الزنا ہوگی، اگر جاہل المسئلہ ہونے کی وجہ سے ایسا نکاح ہوا تو اولاد ولد شبہ اور حلال زادی ہے۔ لیکن نکاح دونوں صورتوں میں ناجائز ہوگا۔ بعض فقہا تو اس ناجائز نکاح میں طلاق کی ضرورت بھی نہیں سمجھتے۔ لیکن اگر دخول واقع ہو چکا ہو تو عورت کو عدت رکھنا ضروری ہوگا۔ وھو العالم دمن مبارک علی حویلی لاہور علی الحائری)

مسئلہ نکاح شیعہ و سنی کا مدلل فیصلہ موسوم بہ "المنظر" مؤلفہ سید محمد رضی الرضوی القمی ابن علامہ الحائری مطبوعہ سٹیم پریس لاہور صفحہ ۳ بقیہ رسالہ میں اس فتوے کی صحت پر دلائل دیئے گئے ہیں صفحہ ۱۶ پر امام ابو عبد اللہ علیہ السلام سے یہ روایت درج کی ہے۔ کہ آپ نے فرمایا

"جو لوگ ائمہ معصومین کے حق میں شک رکھتے ہیں ان کی لڑکیوں سے تو شادی کر لو۔ مگر ان کو لڑکی مت دو۔ کیونکہ عورت اپنے شوہر کے ادب کو لیتی ہے۔ اور شوہر قہراً اور جبراً عورت کو اپنے دین پر لے آتا ہے۔"

صفحہ ۱۷ میں لکھا ہے۔

"امام علیہ السلام کے حکم کی تعمیل اس میں ہے کہ غیر شیعہ کو لڑکی نہ دی جائے۔"

مولانا مودودی صاحب بتائیں کیا یہ سب فرقے ایک دوسرے سے عیسائیوں اور یہودیوں والا معاملہ کرتے ہیں؟ اور بچوں کے جنازہ کو تو محض فساد انگیزی کے لئے پیش کیا جاتا ہے۔ کیونکہ تمام فرقوں کے علماء جو ایک دوسرے کا جنازہ پڑھنا جائز نہیں سمجھتے ان کے بچوں کو بھی ان کے ماں باپ کے حکم کے تابع رکھتے ہیں

مزید یہ کہ مولانا مودودی صاحب خود تمام مسلمانوں کو محض نسلی اور اصطلاحی مسلمان خیال کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں:۔

"ایک قوم کے تمام افراد کو محض اس وجہ سے کہ وہ نسلاً مسلمان ہیں۔ حقیقی معنوں میں مسلمان فرض کر لینا اور یہ امید رکھنا کہ ان کے اجتماع سے جو کام بھی ہوگا اسلامی اصول پر ہی ہوگا۔ پہلی اور بنیادی غلطی ہے۔ یہ انبوہِ عظیم جس کو مسلمان قوم کہا جاتا ہے۔ اس کا حال یہ ہے۔ کہ اس کے ۹۹۹ فی ہزار افراد نہ اسلام کا علم رکھتے ہیں۔ نہ حق و باطل کی تمیز سے آشنا ہیں نہ ان کا اخلاقی نقطۂ نظر اور ذہنی رویہ اسلام کے مطابق تبدیل ہوا ہے۔ باپ سے بیٹے اور بیٹے سے پوتے کو بس مسلمان کا نام ملتا چلا آ رہا ہے۔" (سیاسی کشمکش حصہ سوم بار ششم ص۱۰۵ و ۱۰۶ مصنفہ مولانا ابو الاعلیٰ مودودی)

پھر مولانا مودودی صاحب مسلمانوں کو ایک اہل کتاب کی طرح قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"قرآن میں جن کو اہل کتاب کہا گیا ہے۔ وہ آخر نسلی مسلمان ہی تو تھے۔ خدا اور ملائکہ اور نبی اور کتاب اور آخرت سب کو مانتے تھے۔ اور عبادات اور احکام کی رسمی پیروی بھی کرتے تھے۔ البتہ اسلام کی اصلی روح یعنی بندگی و اطاعت کو اللہ تعالیٰ کے لئے خالص کر دینا اور دین میں شرک نہ کرنا یہ چیز ان میں سے نکل گئی تھی۔" (سیاسی کشمکش حصہ سوم بار ششم ص۱۲۳)

پھر مولانا مودودی صاحب ۹۹۹ فی ہزار مسلمانوں کو اہل کتاب کی طرح قرار دے کر اپنے آپ کو نومسلم قرار دیتے ہیں۔ لکھتے ہیں:۔

"پس در حقیقت میں ایک نومسلم ہوں خوب جان کر اور پرکھ کر اس مسلک پر ایمان لایا ہوں۔ جس کے متعلق میرے دل و دماغ نے گواہی دی ہے۔ کہ انسان کے لئے فلاح و اصلاح کا کوئی راستہ اس کے سوا نہیں ہے۔ میں پھر غیر مسلموں کو ہی نہیں۔ خود مسلمانوں کو بھی اسلام کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ اور اس دعوت سے میرا مقصد اس نام نہاد مسلم سوسائٹی کو باقی رکھنا اور بڑھانا نہیں ہے۔ جو خود ہی اسلام کی راہ سے دور ہٹ گئی ہے۔" (سیاسی کشمکش حصہ سوم ص۱۶)

پھر آپ ارکان جماعت اسلامی کی شادیوں کے متعلق یہ ہدایت فرماتے ہیں کہ وہ ان ۹۹۹ فی ہزار نام کے مسلمانوں سے اپنی جماعت کی لڑکیوں کی شادی کرنا جائز خیال نہیں کرتے چنانچہ ایک تجویز پیش ہونے پر کہ ارکان اسلامی جماعت اپنی اور اپنے بچوں کی شادیاں صرف دیندار لڑکے یا لڑکیوں سے کریں۔ آپ نے فرمایا:۔

"یہ تو حقیقی دینی شعور پیدا ہو جانے کا لازمہ اور اس کا فطری نتیجہ ہے۔ جس آدمی میں بھی یہ شعور پیدا ہو جائے گا۔ وہ لازماً دین سے بچھڑے ہوئے اور اخلاقی طور پر گرے ہوئے لوگوں کو شادی بیاہ کے تعلق کے لئے تو درکنار دوستی و ہمنشینی کے لئے بھی پسند نہیں کرے گا۔ اگر کوئی شخص ایسا ہے۔ جو دینی شعور رکھنے کا دعویٰ کرتا ہے۔ مگر شادی و بیاہ میں دین و اخلاق کو دیکھنے کی بجائے مال و دولت اور دنیوی وجاہت کا لحاظ کرتا ہے۔ تو اس کا دعویٰ یا تو فریب ہے یا پھر ایک غلط فہمی ہے۔ جو اسے اپنی نسبت ہو گئی ہے۔ ایسے لوگ اگر خدانخواستہ ہماری جماعت میں پائے جائیں۔ تو انہیں ضرور مطلع کر دینا چاہیئے۔ کہ آپ کے لئے یہاں کوئی جگہ نہیں ہے۔" (روئیداد جماعت اسلامی حصہ سوم ص۱۰۳)

علاوہ ازیں آپ ان نسلی مسلمانوں کو جو ۹۹۹ فی ہزار کی اکثریت رکھتے ہیں۔ ان کے نمائندوں کو انتخاب میں ووٹ دینا بھی شریعت کی رو سے گناہ خیال کرتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔ کہ اگر تم اپنا ووٹ غلط لوگوں کے ہاتھوں میں بیچ دو گے:۔

"تو یہ اسلام سے ایسی ہی کھلی کھلی غداری ہوگی۔ جیسے کسی مسجد کو ایک مشرک کے ہاتھ گروی رکھ دیا جائے۔ جس طرح نماز کی امامت اور خطابت کے لئے جاہل اور فاسق شخص کو دانستہ پسند کرنا ایک گناہ ہے۔ اسی طرح اپنے ووٹوں کے ذریعہ اسلامی ریاست کا نظم و نسق چلانے کے لئے کسی غیر صالح آدمی کو منتخب کرنا بھی شریعت کی رو سے گناہ ہے۔" (ترجمان القرآن اگست ۱۹۴۹ء ص۱۵۱)

احمدی مسلمانوں سے معاشرتی لحاظ سے اہل کتاب کا سا نہیں بلکہ مسلمانوں کا سا سلوک کرتے ہیں۔ اسی لئے جماعت کی تاریخ اور اس کا رویہ بتلاتا ہے۔ کہ حضرت بانی جماعت احمدیہ اور آپ کے بعد آپ کے خلفاء اور آپ کی جماعت نے مسلمانوں کو ہندوؤں وغیرہ سے علیحدہ قوم سمجھتے ہوئے اور اپنے آپ کو مخالفین اسلام کے مقابل میں مسلمانوں کا حصہ اور جزو سمجھتے ہوئے ہمیشہ مسلمانوں کا ساتھ دیا۔ غیر احمدی مسلمانوں کو ووٹ دیئے۔ جنہیں مولانا مودودی صاحب ووٹ دینا از روئے شریعت گناہ خیال کرتے ہیں۔ اور اپنی جماعت کو صالح اور دوسروں کو غیر صالح قرار دیتے ہیں۔ مولانا مودودی صاحب خود کانگرسی رہے۔ کانگرس سے ان کے تعلقات رہے۔ لیکن جماعت احمدیہ کی ساری تاریخ میں ایک مثال بھی پیش نہیں کی جا سکتی۔ کہ احمدیوں نے کبھی ہندوؤں یا کانگرس کا ساتھ دیا ہو۔

پھر معاشرتی مقاطعہ کا ایک فرضی بھیانک منظر مولانا مودودی صاحب نے پیش کیا ہے:۔

"کہ جہاں شوہر اور بیوی ایک دوسرے کو اپنے لئے حرام سمجھنے لگیں۔ یا کم از کم اپنے تعلقات کے جائز ہونے میں شک کرنے لگیں"۔

احمدیہ جماعت کا کوئی فتویٰ نہیں۔ کہ خاوند یا بیوی میں سے کسی ایک کے احمدی یا غیر احمدی ہو جانے سے ان کے تعلقات زوجیت ناجائز اور حرام ہو جاتے ہیں۔ یہ تو مولانا مودودی صاحب اور ان کے ہمنوا مولویوں کا فتویٰ ہے۔ احمدیوں کا نہیں۔ اگر محض اختلاف خیالات کی وجہ سے معاشرہ میں تلخی پیدا ہوتی ہے۔ تو وہ تلخی محسوس کرنے والے یا سمجھنے والے کی غلطی ہے احمدی لوگ اختلاف خیال کی بناء پر کوئی تلخی نہیں پیدا کرتے۔ بلکہ وہ محبت اور پیار و حسن سلوک سے رہنے کے عادی ہیں۔ اسی واسطے دیہاتیوں میں جن جن برادریوں سے احمدی تعلقات رکھتے ہیں۔ احمدیت کی وجہ سے ان کے تعلقات برادری میں کبھی فرق نہیں آیا۔ اگر شاذ و نادر طور پر کوئی واقعہ تعلقات زوجیت کو توڑنے کے لئے کوئی مقدمہ ہوا بھی تو وہ محض مولویوں کی انگیخت پر ہوا۔ ورنہ ان کے درمیان اختلاف افکار و خیالات تک ہی رہتا ہے۔ اور ہر مصلح اسی قسم کا اختلاف پیدا کرنے کا موجب ہوا کرتا ہے۔ کیا مولانا مودودی صاحب کے مسلمانوں کے متعلق مذکورہ بالا خیالات و افکار کا جائزہ لینے کے بعد یہ خیال کیا جا سکتا ہے۔ کہ جب کسی برادری یا گھر میں سے ایک شخص مولانا مودودی صاحب کے خیالات کو اپنائے گا۔ اور دوسروں کو اہل کتاب کی طرح خیال کرے گا۔ اور انہیں رسمی مسلمان سمجھے گا۔ اور اپنے آپ کو نومسلم قرار دیگا۔ تو ان کے درمیان پھوٹ نہیں پڑے گی؟ چنانچہ خود مولانا مودودی صاحب اس امر کے معترف ہیں۔ کہ ان کی جماعت میں داخل ہونے کے بعد ارکان جماعت کو اپنے اقرباء سے اور شوہروں کو اپنی بیویوں سے علیحدہ ہونا پڑا اور

"اسی بناء پر بعض والدین نے اپنے اکلوتے جگر گوشوں کو گھر سے باہر کر دیا۔ .... بعض بے دین شوہروں نے اپنی بے گناہ بیویوں کو معلق کر کے چھوڑ دیا"۔ (روئیداد جماعت اسلامی حصہ سوم ص۲۷)

اس کتاب کے صفحہ ۵۳ پر مولانا فرماتے ہیں:۔

"اس مسلک کو عملاً اختیار کرتے ہی آدمی کا قریب ترین ماحول اس کا دشمن بن جاتا ہے۔ اس کے اپنے والدین اس کے بھائی بند اس کی بیوی اور بچے اور اس کے جگری دوست سب سے پہلے اس کے ایمان سے قوت آزمائی کرتے ہیں۔ اور بسا اوقات اس مسلک کا پہلا اثر ظاہر ہوتے ہی آدمی کا اپنا گہوارہ جس میں وہ نازوں سے پالا گیا تھا۔ اس کے لئے زنبور خانہ بن جاتا ہے"۔

جواب پیرا ۱۲:۔ اس پیرا میں مولانا مودودی صاحب نے احمدیوں میں جتھہ بندی کے میلان کو مسلمانوں اور احمدیوں میں معاشی نزاع کی بنیاد قرار دیتے ہوئے لکھا ہے۔ کہ احمدیوں نے ہر شعبہ میں احمدیوں کو غیر احمدیوں پر ترجیح دینے اور ایک دوسرے کی مدد کر کے آگے بڑھانے کا سلسلہ شروع کر دیا۔ خصوصیت کے ساتھ سرکاری ملازمتوں کے معاملے میں دونوں گروہوں کی کشمکش زیادہ نمایاں ہو رہی ہے۔ یہ اس نوعیت کی نزاع ہے۔ جو اس سے پہلے مسلمانوں اور ہندوؤں کو ایک دوسرے سے بچھاڑ کر باہمی عداوت کی آخری حدود کو پہنچ چکی ہے۔ مولانا مودودی صاحب کا یہ قول سراسر خلاف واقعہ ہے۔ کہ احمدیوں نے منظم ہو کر ہر شعبہ میں قادیانیوں کو غیر قادیانیوں پر ترجیح دینا شروع کر دی ہے۔ اور ہم تحقیقاتی عدالت سے باادب درخواست کرتے ہیں۔ کہ وہ مولانا مودودی صاحب سے اس کا ثبوت مانگے۔ ظاہر ہے کہ سرکاری ملازمتوں میں احمدی، غیر احمدی کی نسبت اتنی تعداد میں ہیں۔ کہ کوئی ذی عقل انسان ان کی نسبت یہ گمان کرنا بھی درست نہیں سمجھتا۔ جسے مولانا مودودی صاحب نے واقعہ کے طور پر تحقیقاتی عدالت کے سامنے پیش کرنے کی جرأت کی ہے۔ پراپیگنڈا کرنے والے مولویوں نے عوام الناس کو اشتعال دلانے کے لئے کہا۔ کہ قادیانی فوج میں، ایئر فورس میں اور نیوی میں کلیدی اسامیوں پر قبضہ کئے ہوئے ہیں۔ حالانکہ کلیدی اسامیوں کا ہمیشہ کمیشن فیصلہ کیا کرتے ہیں۔ اور قابلیت کے لحاظ سے انتخاب کیا جاتا ہے۔ اسی طرح دوسری قسم کی کئی اور ملازمتوں میں بھی امتحان لیکر ترقی دی جاتی ہے۔ اگر پراپیگنڈا کرنے والوں کا یہ قول درست ہے۔ تو لازمی طور پر ماننا پڑیگا۔ کہ احمدی اپنی قابلیت کی بناء پر بذریعہ انتخاب ان ملازمتوں پر لئے گئے ہیں۔ نہ کہ ناجائز امداد اور خویش پروری کے ذریعہ۔ جیسا کہ مولانا مودودی صاحب کہتے ہیں۔ اگر مولانا مودودی صاحب کا یہ الزام درست ہوتا۔ تو دوسرے ڈیپارٹمنٹوں کے غیر احمدی آفیسرز سے یہ بات مخفی نہیں رہ سکتی تھی۔ اور وہ اس کے خلاف ضرور پروٹسٹ کرتے۔ مگر حیرانگی کی بات ہے۔ کہ پروٹسٹ احرار کی طرف سے کیا گیا۔ اور خلاف واقعہ باتیں بنا بنا کر احمدیوں کے خلاف اشتعال اور جوش دلایا گیا۔ مثال کے طور پر یہ کہا جاتا ہے۔ کہ احمدی فوج میں زیادہ ہیں۔ ثابت کیا جائے کہ .... ریکروٹنگ بورڈ میں احمدی آفیسر ہوتے تھے۔ چوٹی کا احمدی افسر چودھری محمد ظفر اللہ خان ہیں۔ ثابت کیا جائے۔ کہ انہوں نے اپنے محکمہ میں کتنے احمدی بھرتی کئے ہیں۔ اور آیا بھرتی کرنا ان کے اختیار میں بھی ہے یا نہیں۔ کمیشن اگر چاہے۔ تو گورنمنٹ کو لکھ کر یہ معلوم کر سکتا ہے۔ کہ فارن ڈیپارٹمنٹ میں کس اصول پر بھرتی کی جاتی ہے۔ اور کن کن [illegible]

پھر مولانا مودودی صاحب نے یہ لکھا ہے کہ سب سے زیادہ پنجاب میں یہ بات رونما ہوئی۔ ہمارے نزدیک مولانا مودودی صاحب کی یہ بات بھی خلاف واقعہ ہے۔ گورنمنٹ کے مختلف محکموں میں بھرتی کے افسر مقرر ہوتے ہیں۔ اس وقت پنجاب میں احمدی بڑا افسر مرزا مظفر احمد ہیں ہم کمیشن سے درخواست کرتے ہیں۔ کہ مولانا مودودی صاحب سے یہ ثبوت لے۔ کہ اس وقت تک مرزا مظفر احمد صاحب نے کتنے آدمی بھرتی کئے ہیں۔ اور ان میں سے کتنے احمدی تھے۔ نیز ان سے دریافت کیا جائے۔ کہ پنجاب میں کتنے احمدی افسروں نے گذشتہ تین چار سال میں کتنے احمدی بھرتی کئے ہیں۔ اور آیا وہ اس نسبت سے زیادہ ہیں۔ جتنی کہ احمدیوں کو حاصل ہونی چاہیئے تھی۔ اور آیا ان کی کوالیفیکیشن اس سے کم تھی۔ جو حکومت نے اس عہدے کے لئے مقرر کی ہیں۔ نیز مولانا مودودی صاحب بتائیں۔ کہ اس احمدی افسر نے اس عرصہ میں غیر احمدی کتنے بھرتی کئے تھے۔ اور دونوں بھرتیوں میں کیا نسبت تھی۔ عدالت کے سامنے بے دلیل بات کرنا فساد کو بڑھانے والی بات ہے۔ تحقیقات میں ممد نہیں ہو سکتی۔

مولانا مودودی صاحب کا یہ خیال بھی درست نہیں ہے کہ ملازمتوں کے متعلق نزاع کی نوعیت وہی ہے جو اس سے پہلے مسلمانوں اور ہندوؤں کو ایک دوسرے سے بھاڑ کر باہمی عداوت کی آخری حد کو پہنچا چکی ہے۔ کیونکہ ہندو افسر اکثریت میں تھے۔ اور مسلمان افسر اقلیت میں تھے۔ وہ عدل و انصاف کے خلاف کرتے ہوئے ہندوؤں کو زیادہ ملازمتیں دے سکتے تھے۔ اور مسلمان اقلیت میں ہونے کی وجہ سے ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن یہاں تو معاملہ ہی بالکل برعکس ہے۔ احمدی افسر غیر احمدی افسروں کی نسبت نہایت اقلیت میں ہیں۔ اس لئے اگر احمدی افسر ملازمتوں کے معاملہ میں اس قسم کی جنبہ داری یا خویش پروری کا سلسلہ شروع کرتے جس سے دوسرے مسلمان اپنے جائز حقوق سے محروم رہتے۔ تو غیر احمدی افسر جو کہ اکثریت میں ہیں۔ اس صورت حال پر خاموش نہیں رہ سکتے تھے۔ بلکہ وہ بدلہ لینے کے لئے احمدیوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرتے۔ پس یہ احمدیوں کے خلاف ایک جھوٹا پراپیگنڈا ہے۔ جس کا مقصد احمدیوں کو ملازمتوں میں ان کے جائز حقوق سے محروم کرنا ہے۔

جواب پیرا ۵۔

اس پیرا میں مولانا مودودی صاحب لکھتے ہیں۔ کہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے اور اُن کی جماعت نے مسلمانوں کو کچلنے کے لئے اور اُن کو ہمیشہ غلام رکھنے کے لئے اور اپنی ترقی کا راستہ کھولنے کے لئے یہ فارمولا بنایا۔ کہ انگریزی حکومت کے ساتھ تعاون کو جزو ایمان قرار دیا۔

مولانا مودودی صاحب جماعت اسلامی کے جو ان کے نزدیک صالحین کی جماعت ہے۔ امیر اور لیڈر ہیں۔ وہ اپنے ایک خیال کو دوسرے شخص کے دل کی بات قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو فرمایا۔ جس نے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہنے والے کو اس لئے قتل کر دیا تھا کہ اُس نے خوف کے مارے یہ کلمہ کہا ہے۔ کہ تو نے اسے کیوں قتل کیا۔ کیا تو نے اُس کا دل پھاڑ کر دیکھا تھا۔ مولانا مودودی صاحب کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ کہتے کہ بانی سلسلہ احمدیہ کی انگریزی حکومت سے تعاون کی تعلیم غلط تھی۔ اور ان کو یہ بھی حق حاصل تھا۔ کہ وہ یہ کہتے کہ اس تعلیم کے نتیجہ میں مسلمانوں کی غلامی کی زنجیریں سخت ہو گئیں۔ لیکن ان کو یہ کہنے کا حق نہیں تھا۔ کہ وہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ اور ان کی جماعت کی نسبت یہ الزام لگاتے کہ انہوں نے شروع سے بدنیتی اور بے ایمانی سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنے اور دوسرے مسلمانوں کو تباہ کرنے کی ایک سکیم بنائی۔ اگر یہ بات جائز ہے تو دوسرے کو بھی یہ کہنے کا حق حاصل ہے۔ کہ مولانا مودودی صاحب نے جماعت اسلامی کی تحریک محض رسوخ حاصل کرنے کے لئے شروع کی ہے۔ اور اگر کوئی ایسا کہے۔ تو کسی قدر سے حق بھی ہوگا۔ کیونکہ مولانا مودودی صاحب نے سارے ہندوستان سے الیکشن میں اپنی جماعت کو آگے لانے کی کوشش کی

اور پاکستان بننے سے پہلے ہندوؤں کی تائید میں پاکستان بننے کی مخالفت کرتے رہے۔ اگر بانی سلسلہ احمدیہ کے متعلق یہ بات کہی جا سکتی ہے۔ تو کیوں یہ بات مولانا مودودی صاحب کے متعلق نہیں کہی جا سکتی۔ اور سید احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق نہیں کہی جا سکتی جنہوں نے انگریزی حکومت کے ساتھ جہاد کرنے کا انکار کیا ہے۔ اور یہ بات مسیح علیہ السلام کے متعلق نہیں کہی جا سکتی۔ جنہوں نے رومی حکومت کے ماتحت رہتے ہوئے یہ کہا۔ جو خدا کا ہے اُس کو دو اور جو قیصر کا ہے اُس کو دو۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق کیوں نہیں کہی جا سکتی جنہوں نے کافر بادشاہ کی اطاعت کی اُس کی نوکری کی۔ اور اُس کے ملک کی بہتری کے لئے جان لڑا دی۔ پھر کیا یہی بات خدا تعالیٰ کی حضرت موسیٰ و ہارون علیہ السلام سے نہیں کہی تھی۔ کہ جب وہ فرعون کے پاس جائیں تو قولا لہ قولاً لینا۔ نہایت نرم پیرایہ سے بات کریں پھر یہی بات مسلمانوں کے لیڈر سر سید احمد خان سید امیر علی اور سر آغا خان اور سر فضل حسین کے متعلق کیوں نہیں کہی جا سکتی۔ جنہوں نے ایسی ہی باتیں انگریزی قوم کے حق میں لکھیں عجیب بات ہے۔ کہ اپنے لیڈر اور اپنے سردار وہی باتیں کرتے ہیں تو وہ دیانتدار ہیں۔ قوم کے لیڈر اور راہنما ہیں جب اپنے ملنے ہوئے راہنما وہی بات کہتے ہیں تو سبحان اللہ سبحان اللہ کہتے ہیں۔ لیکن اگر وہی بات ایک چھوٹی جماعت کا لیڈر کہتا ہے۔ تو وہ گردن زدنی اور کشتنی ہے۔ اور بد نیت اور بے ایمان ہے۔ کیا یہی وہ جمہوریت ہے۔ جو مولانا مودودی صاحب اور اُن کے ظاہر اور خفیہ خیر خواہ دنیا کے سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں؟

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے سامنے کوئی اسلامی حکومت نہ تھی۔ پاکستان کا آئیڈیا بھی اس وقت پیش نہیں ہوا تھا۔ اور اگر انگریز اُس وقت چلا جاتا۔ تو اُس کی جگہ وہی حکومت قائم ہوتی جو آج ہندوستان میں قائم ہے۔ اور پاکستان کا نام ونشان بھی نہ ہوتا۔ کیا بانی سلسلہ احمدیہ کا یہ جرم ہے۔ کہ وہ اس قسم کی حکومت کے مقابلہ میں انگریز کو ترجیح دیتے تھے۔ یہ تو مستقبل کا حال تھا۔ اور ماضی قریب کا حال یہ تھا۔ کہ بانی سلسلہ احمدیہ کے ملک میں سکھوں کی حکومت تھی۔ جنہوں نے مسجدوں کو اصطبل بنا دیا تھا۔ جو زبردستی مسلمان لڑکیوں کو چھین کر لے جاتے تھے۔ جو اذان کو جرم قرار دیتے تھے۔ جن کی ساری حکومت میں صرف تین چار مسلمان ملازم تھے۔ یہ حالات دیکھ کر سید احمد صاحب بریلوی جیسا عبادت گزار اور گوشہ نشین جہاد کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔ کیا اپنے بچپن میں ان حالات کو دیکھنے والا شخص انگریزی حکومت کو خدا کی رحمت قرار دیتا تو کیا کہتا۔ کیا کوئی عقلمند انسان ایسا ہو سکتا ہے۔ جو ان حالات میں پلنے کے بعد انگریزی حکومت کے طرز عمل کی تعریف نہ کرتا۔ اور جو لوگ بانی سلسلہ احمدیہ سے خود خدمت گزاریٔ برطانیہ کی وفاداری کے متعلق ظاہر

کی۔ وہ سند دیتا۔ چنانچہ ہم اس کی تائید میں معزز عدالت کے سامنے غیر احمدی علماء اور لیڈروں کے اقوال پیش کرتے ہیں:-

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی جو سردار اہلحدیث کہلاتے تھے۔ (ہفتہ وار اشاعۃ السنہ نمبر ۱۰ جلد ۶ صفحہ ۲۸۷) میں لکھتے ہیں:-

"مسلمان رعایا کو اپنی گورنمنٹ سے دخواہ وہ کسی مذہب یہودی عیسائی وغیرہ پر ہو۔ اور اُس کے امن و عہد میں وہ آزادی کے ساتھ شعائر مذہبی ادا کرتی ہو) لڑنا یا اس کے لڑنے والوں کی جان و مال سے اعانت کرنا جائز نہیں ہے۔ بنا علیہ اہل اسلام ہندوستان کے لئے گورنمنٹ انگریزی کی مخالفت و بغاوت حرام ہے"

اور لکھتے ہیں:-

"مولانا سید محمد نذیر حسین صاحب محدث دہلوی نے مفسدہ ۱۸۵۷ء کو شرعی جہاد نہیں سمجھا۔ بلکہ اس کو بے ایمانی و عہد شکنی و فساد و عناد خیال کر کے اس میں شمولیت اور اس کی معاونت کو معصیت قرار دیا" (صفحہ ۲۸۸)

پھر لکھتے ہیں:-

"سلطان روم ایک اسلامی بادشاہ ہے۔ لیکن امن عام اور حسن انتظام کے لحاظ سے (مذہب سے قطع نظر) برٹش گورنمنٹ بھی ہم مسلمانوں کے لئے کچھ فخر کا موجب نہیں ہے اور خاص کر گروہ اہلحدیث کے لئے تو یہ سلطنت بلحاظ امن و آزادی اس وقت کی تمام اسلامی سلطنتوں (روم۔ ایران۔ خراسان) سے بڑھ کر فخر کا محل ہے" (صفحہ ۲۹۲)

اور لکھتے ہیں:-

"اس امن و آزادی عام و حسن انتظام برٹش گورنمنٹ کی نظر سے اہلحدیث ہند اس سلطنت کو از بس غنیمت سمجھتے ہیں۔ اور اس سلطنت کی رعایا ہونے کو اسلامی سلطنتوں کی رعایا ہونے سے بہتر جانتے ہیں۔ اور جہاں کہیں وہ رہیں اور جائیں۔ (عرب میں خواہ روم میں خواہ اور کہیں) کسی اور ریاست کا محکوم رعایا ہونا نہیں چاہتے" (صفحہ ۲۹۳)

اسی طرح سر سید احمد خان نے بھی اپنی کتاب رسالہ اسباب بغاوت ہند میں برٹش گورنمنٹ کی وفاداری کی تلقین کی ہے۔ اور اس کے خلاف کھڑے ہونے کو بغاوت قرار دیا ہے۔ اور حضرت سید احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اس انگریزی آزاد عملداری کو اپنی عملداری خیال کرتے تھے۔ کیونکہ اس میں حکومت برطانیہ نے پوری مذہبی آزادی دے رکھی تھی۔ مولوی محمد جعفر صاحب تھانیسری لکھتے ہیں:-

"سید صاحب (حضرت سید احمد بریلوی) کا سرکار انگریزی سے جہاد کرنے کا ہرگز ارادہ نہیں تھا وہ اس آزاد عملداری کو اپنی عملداری سمجھتے تھے"

(سوانح احمدی مؤلفہ جعفر تھانیسری صفحہ ۱۳۹)

مولانا ظفر علی خان ہندوستان کو دار السلام قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"مسلمان ایک لمحہ کے لئے بھی ایسی حکومت سے بدظن ہونے کا خیال نہیں کر سکتے۔ اگر کوئی بدبخت

مسلمان گورنمنٹ سے سرکشی کی جرأت کرے تو ہم ڈنکے کی چوٹ سے کہتے ہیں کہ وہ مسلمان نہیں"

(زمیندار مورخہ ۱۱ نومبر ۱۹۱۱ء)

پھر لکھتے ہیں:-

"زمیندار اور اُس کے ناظرین گورنمنٹ برطانیہ کو سایہ خدا سمجھتے ہیں۔ اور اس کی عنایت شاہانہ و انصاف خسروانہ کو اپنی دلی ارادت و قلبی عقیدت کا پھل سمجھتے ہوئے اپنے بادشاہ عالم کی پیشانی کے ایک قطرے کی بجائے اپنے جسم کا خون بہانے کے لئے تیار ہیں۔ اور یہی حالت ہندوستان کے تمام مسلمانوں کی ہے" (زمیندار ۱۹ نومبر ۱۹۱۱ء)

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کو گورنمنٹ انگریزی کے بارے میں جو بار بار لکھنا پڑا۔ تو اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ مسلمان مولوی اور دوسرے مذاہب والے خصوصاً عیسائی پادری آپ کے خلاف گورنمنٹ انگریزی میں جھوٹی شکائتیں کرتے رہتے تھے۔ کہ آپ بباطن گورنمنٹ انگریزی کے دشمن ہیں اور موقع پا کر آپ کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیں گے۔ اور گورنمنٹ انگریزی اس وجہ سے بھی شبہ کی نظر سے دیکھتی تھی۔ کہ آپ کا دعویٰ مسیح موعود اور مہدی ہونے کا تھا۔ اور انگریزی حکومت اس قسم کے دعویٰ کی وجہ سے ان کی شکائت کو توجہ کی نظر سے دیکھتی تھی۔ کیونکہ قریب ہی کے زمانہ میں مہدی سوڈان کے ہونے جو جنگ کی حالت پیدا کر دی تھی وہ انگریزوں کو بھولی نہیں تھی۔ اور اس وجہ سے بھی کہ مسلمانوں کا یہ عقیدہ تھا۔ کہ جب مہدی موعود آئے گا۔ وہ ہندوستان کے بادشاہوں سے جنگ کرے گا۔ اور وہ اس کے سامنے بیڑیوں میں جکڑے ہوئے پیش کئے جائیں گے۔ اور اسی طرح وہ مسیح موعود کے متعلق یہ خیال کرتے تھے کہ مسیح موعود اہل کتاب سے جزیہ قبول نہیں کرے گا۔ بلکہ صرف اسلام قبول کرے گا۔ اور جو اسلام قبول نہیں کرے گا اُسے قتل کر دے گا۔ مسلمانوں کے یہ عقائد اقتراب الساعۃ۔ حجج الکرامہ مؤلفہ نواب صدیق حسن خان صاحب میں موجود ہیں۔ اس لئے ضروری تھا۔ کہ بانی سلسلہ احمدیہ ان غلط عقائد کی تردید کرتے۔ اور انگریزی گورنمنٹ کو یقین دلاتے۔ کہ ان کے خلاف مولویوں کی طرف سے جو شکایات حکومت کے پاس کی جاتی ہیں۔ وہ غلط ہیں اور میرے نزدیک ایسی حکومت جس نے مذہبی آزادی دے رکھی ہے۔ اور مذہب اسلام کے قبول کرنے سے نہیں روکتی۔ اطاعت کرنا ضروری ہے۔ ایسی شکایات کے متعلق آپ اپنی کتاب انجام آتھم میں مولویوں کے متعلق لکھتے ہیں۔ کہ بعض ان میں سے:-

"گورنمنٹ انگریزی میں جھوٹی شکائتیں میرے متعلق لکھتے۔ اور اپنی عداوت باطنی کو چھپا کر مخبروں کے لباس میں نیش زنی کر رہے ہیں۔ یہ نادان نہیں جانتے۔ کہ کوئی بات زمین پر نہیں ہو سکتی۔ جب تک آسمان پر نہ ہو۔ اور گورنمنٹ انگریزی میں یہ کوشش کرتا کہ مخفی طور پر میں گورنمنٹ انگریزی کا بدخواہ ہوں۔ یہ نہایت سفلہ پن کی عداوت ہے"

(انجام آتھم صفحہ ۶۸)

نیز اپنی کتاب نور الحق مطبوعہ ۱۸۹۳ء میں

پادریوں کا ذکر کرتے ہوئے خصوصاً پادری عماد الدین کا جس نے اپنی کتاب توزین الاقوال میں حکومت کو آپ کے خلاف اکسایا تھا۔ لکھا:۔

"ایک خالص افترا کے طور پر اس نے میرے حالات لکھے ہیں۔ اور بیان کیا ہے۔ کہ یہ شخص ایک مفسد آدمی اور گورنمنٹ کا دشمن ہے اور مجھے اس کے طریق چال چلن میں بغاوت کی نشانیاں دکھائی دیتی ہیں۔ اور میں یقین رکھتا ہوں۔ کہ وہ ایسے ایسے کام کرے گا۔ اور وہ مخالفوں میں سے ہے۔" (نور الحق جلد اول صلا)

نیز حوالجات کے "تسلیم وانکار" کے جواب میں تبلیغ رسالت کے حوالے سے اسی مضمون کے نسبت سے حوالہ جات دیئے جا چکے ہیں۔

پس مخالفین کی شکایتیں حکومت کے پاس اس امر کا موجب ہوئیں کہ بانی سلسلہ احمدیہ بار بار انگریزی حکومت کا مذہبی آزادی دینے کے لئے شکریہ ادا کریں۔

مولانا مودودی صاحب کا ایک اور غلط نظریہ

پھر مولانا مودودی صاحب نے یہ نظریہ پیش کیا ہے۔ کہ ملت کے اندر سے جو عنصر سب سے بڑھ کر ملت اسلامیہ کی تخریب کے لئے دشمنان اسلام کا آلہ کار بن سکتا ہے۔ وہ قادیانی ہو سکتا ہے۔ اسی لئے جب ہندوستان میں ہندوؤں اور مسلمانوں میں قومی کشمکش بڑھی۔ تو کانگرس کے نیشنلسٹ لیڈروں کی نگاہ بھی قادیانیت کے امکانات پر پڑنی شروع ہو گئی۔

اگر مولانا مودودی صاحب کو بغیر دلیل کسی جماعت کے حق میں ایسا گمان کرنا جائز ہے۔ تو مولانا مودودی صاحب اور ان کی جماعت کے متعلق بھی بات بدرجہ اولیٰ کہی جا سکتی ہے۔ جبکہ انہوں نے پاکستان کے قیام کے سلسلہ میں تمام مسلمانوں کی سخت مخالفت کی۔ اور کانگرس کی گونہ تائید کی۔ اور قیام پاکستان کے بعد جب پاکستانی مسلمان ہندوؤں کے مقابلہ میں کشمیر کی جنگ میں شامل ہوئے۔ تو مولانا مودودی صاحب نے اس جنگ کی مخالفت کی۔ اور اس قسم کے مضامین لکھے۔ جن سے حکومت پر یہ واضح ہو گیا۔ کہ یہ درحقیقت خطرناک آدمی ہیں۔ اور پاکستان کے خیر خواہ نہیں۔ اور انہیں سیفٹی ایکٹ کے ماتحت گرفتار کر لیا گیا۔ اور اس کے برعکس احمدیوں نے ایک بٹالین فرقان فورس کے نام سے کشمیر محاذ پر بھیجی۔ جن کے کارہائے نمایاں کی کمانڈر انچیف نے بھی تعریف کی۔ اور ان کو خوشنودی کا سرٹیفکیٹ دیا۔ اور پارٹیشن سے پہلے بھی جماعت احمدیہ نے کانگرس کی سخت مخالفت کی۔ مثلاً نہرو رپورٹ پر جماعت احمدیہ نے ایک مفصل تبصرہ لکھا جس میں مسلمانوں کے حقوق اور مطالبات کی تائید میں نہایت زبردست دلائل دیئے۔ اور کانگرس کی پیش کردہ سفارشات کی تردید کی۔ جس پر مسلمان لیڈروں نے امام جماعت احمدیہ کا شکریہ ادا کیا۔ (اس کے لئے دیکھیں رسالہ قیام پاکستان اور جماعت احمدیہ صفحہ ٦٣ و ٣٨ شائع کردہ نشر و اشاعت صدر انجمن احمدیہ ربوہ جو شامل ہذا ہے)

لیکن احرار اور جمعیۃ العلماء نیشنلسٹ مسلمانوں نے نہرو رپورٹ کی تائید کی۔ اور کانگرس کا ساتھ دیا۔ اسی طرح جب کبھی کانگرس نے ترک موالات یا اور دوسری تحریکیں شروع کیں۔ تو جماعت احمدیہ نے کانگرس کی سخت مخالفت کی۔ اور جداگانہ انتخابات کے معاملہ میں بھی امام جماعت احمدیہ نے کانگرس کی سخت مخالفت کی۔ اور اس پر آخر تک قائم رہے یہاں تک کہ پاکستان بن گیا۔ اور مولانا مودودی صاحب یہ کبھی ثابت نہیں کر سکتے۔ کہ احمدیہ جماعت نے مسلمانوں کو چھوڑ کر کبھی کانگرس کا ساتھ دیا ہو۔ یا احمدی کبھی کانگرس کے ممبر ہوئے ہوں۔ لیکن مسلم لیگ کے وہ ممبر ہوئے۔ اور مسلم لیگ کی وہ حمایت کرتے رہے

مولانا مودودی صاحب کے نظریہ کا غلط ہونا اس سے بھی ظاہر ہو سکتا ہے۔ کہ پارٹیشن کے موقعہ پر ہندو گورنمنٹ نے احمدیوں اور غیر احمدیوں میں کوئی امتیاز نہ کیا۔ اور احمدیوں کو قادیان سے نکلنے پر مجبور کر دیا گیا۔ پھر احمدی اور غیر احمدی مقدمات میں کانگرسی وکیل بغیر فیس کے غیر احمدیوں کی تائید میں کھڑے ہوا کئے۔ (مثلاً عطاء اللہ شاہ بخاری کے مقدمہ میں کانگرس کا پریذیڈنٹ ہندو وکیل مفت پیش ہوا تھا۔ جماعت نے اس پر مسٹر نہرو سے شکایت کی کہ کانگرس مذہبی معاملات میں کیوں دخل دیتی ہے۔ مسٹر نہرو نے جواب دیا۔ کہ میں خود مذہبی آدمی نہیں ہوں۔ لیکن جو لوگ کانگرس کی مدد کرتے ہیں۔ کانگرس کے عہدہ دار کیوں ان کی مدد نہ کریں)

پھر تقسیم ہند کے وقت جماعت احمدیہ نے لیگ کی ہر رنگ میں مدد کی۔ لیکن مولانا مودودی صاحب اور ان کی جماعت نے ہر طرح مخالفت کی۔

اگر مسٹر نہرو نے کسی وقت ڈاکٹر اقبال کے مسلک کو غلط سمجھتے ہوئے اور یہ دیکھتے ہوئے کہ احمدی جو اپنے آپ کو مسلمان کہلاتے ہیں۔ اور ان کے نزدیک وہ مسلمانوں کا ہی حصہ ہیں۔ ان کی تردید میں مضامین لکھے۔ تو اس سے جماعت احمدیہ کا کانگرس کی طرف میلان اور کانگرس کی تائید کرنا کہاں سے ثابت ہوا۔

پھر مولانا مودودی صاحب اس فرضی نظریہ کو درست ثابت کرنے کے لئے لکھتے ہیں۔ کہ اس خیال کو جن باتوں نے تقویت پہنچائی۔ وہ یہ ہے۔ کہ پہلی جنگ عظیم میں جب بغداد اور بیت المقدس اور قسطنطنیہ پر انگریزوں کا قبضہ ہوا۔ تو پوری مسلم قوم کے اندر وہ صرف قادیانی تھے۔ جنہوں نے خوشیاں منائیں۔ اور چراغاں کیا۔ یہ بھی مودودی صاحب نے بغیر ثبوت کے بات کی ہے۔ حالانکہ خوشی کی یہ تقریب جس میں رات کو چراغاں کیا گیا۔ اتحادیوں کی فتح اور جرمنی کی مغلوبیت کے موقع پر اس تاریخ پر منائی گئی۔ جو گورنمنٹ کی طرف سے غیر معمولی گزٹ کے ذریعہ مقرر کی گئی تھی۔ جس میں یہ تصریح کی گئی تھی۔ کہ ۲۷ نومبر کو صوبہ پنجاب میں صلح کی خوشی میں عام تعطیل ہوگی۔ ہر جگہ جلسے منعقد کئے جائیں گے۔ اور خوشی منائی جائے گی۔

اخبار الفضل ۷ دسمبر ۱۹۱۸ء میں جماعت احمدیہ لدھیانہ کی رپورٹ میں یہ الفاظ درج ہیں:۔

"وہ مغرور اور متکبر سلطنت جرمنی جو آج سے چند سال پیشتر تمام دنیا کو اپنے ظلم و استبداد کی حکومت کے ماتحت لانے کے خواب پریشاں دیکھ رہی تھی۔ اس پر برطانیہ عظمیٰ اور اس کی اتحادی طاقتوں کے کامل غلبہ اور اقتدار حاصل کر لینے پر ۲۷ نومبر کی تاریخ پنجاب میں اظہار تہنیت اور خوشی کے لئے مقرر کی گئی تھی۔"

اور خوشی کی یہ تقریب نہ صرف احمدیوں نے بلکہ صوبہ بھر کی تمام اقوام نے منائی تھی۔ مولانا مودودی صاحب کی دلیل کی تقویت کا یہ عالم ہے۔ کہ وہ جماعت احمدیہ کے متعلق اپنے نظریہ کی بنیاد تو ایک ہندو کے ایک مضمون لکھنے اور دوسرے ایک ہندو سے پرائیویٹ ملاقات میں اپنی گفتگو پر رکھتے ہیں۔ جو بقول ان کے ۱۹۳۰ء کے قریب ہوئی۔ اور اس خیال کی قوت کا باعث ۱۹۱۸ء میں جنگ عظیم اول کی تقریب پر جماعت احمدیہ کے چراغاں کرنے کو قرار دیتے ہیں۔ جو نہ صرف قادیان میں بلکہ درحقیقت تمام شہروں میں منائی گئی تھی۔ تحقیقی عدالت اس سے مولانا مودودی صاحب کی دلیل کی پختگی کا اندازہ لگا سکتی ہے۔

رہا جماعت احمدیہ کا انگریزی حکومت کی تعریف کرنا تو اس کی اصل وجہ یہ تھی۔ کہ اس نے حریت ضمیر اور تبلیغ اسلام کی مکمل آزادی دی ہوئی تھی جیسا کہ اس پیرا میں اوپر تفصیل سے درج کیا جا چکا ہے۔

جواب پیرا نمبر ٦:۔ اس پیرا میں مولانا مودودی صاحب نے چند حوالہ جات درج کئے ہیں۔ جنہیں مولانا مودودی صاحب نے مسلمانوں کے لئے سخت دلآزار اور اشتعال انگیز قرار دیا ہے۔ اس پیرا میں پیش کردہ حوالہ جات کا مختصر جواب حوالہ جات "تسلیم و انکار" کے سلسلہ میں دیا جا چکا ہے۔ لیکن تاہم دو تین حوالہ جات کا یہاں تفصیلی جواب دیا جاتا ہے۔

(۱) اخبار الفضل کے حوالہ سے مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ حضرت بانی جماعت احمدیہ نے ایک غلطی کے ازالہ میں لکھا ہے۔ محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم کے الہام میں محمد رسول اللہ سے مراد میں ہوں اور محمد رسول اللہ خدا نے مجھے کہا ہے۔" ایک غلطی کے ازالہ کے الفاظ حسب ذیل ہیں:

"پھر اسی کتاب میں (یعنی براہین احمدیہ میں) اس مکالمہ کے قریب ہی یہ وحی اللہ ہے۔ محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم اس وحی الٰہی میں میرا نام محمد رکھا گیا۔ اور رسول بھی"

اس میں قابل توجہ یہ بات ہے۔ کہ آپ نے یہاں قرآنی آیت کے متعلق ذکر نہیں کیا۔ بلکہ اپنے الہامات کا ذکر کیا ہے۔ کہ آپ کو اپنے اس الہام میں محمد بھی کہا گیا۔ اور رسول بھی۔ اور آیت قرآنی کے متعلق لکھتے ہیں۔ کہ اس کے مصداق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ فرماتے ہیں:۔

"تم سن چکے ہو۔ کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو نام ہیں۔ ایک محمد صلے اللہ علیہ وسلم اور یہ نام توریت میں لکھا گیا ہے۔ جو ایک آتشی شریعت ہے۔ جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے۔ محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم" (اربعین ۴ صلا)

اور ایک غلطی کے ازالہ میں آپ نے اس امر کی بھی تشریح کر دی ہے۔ کہ میرا نام محمد اور احمد کے نام سے موسوم ہونا اور نبی اور رسول ہونا بروزی اور ظلی طور پر ہے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

"میں باوجود نبی اور رسول کے لفظ کے ساتھ پکارے جانے کے خدا کی طرف سے اطلاع دیا گیا ہوں۔ کہ یہ تمام فیوض بلاواسطہ میرے پر نہیں ہیں بلکہ آسمان پر ایک وجود ہے۔ جس کا روحانی افاضہ میرے شامل حال ہے۔ یعنی محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس واسطہ کو ملحوظ رکھ کر اور اس میں ہو کر اور اس کے نام محمد اور احمد سے مسمیٰ ہو کر میں رسول بھی ہوں۔ اور نبی بھی ہوں۔ یعنی بھیجا گیا بھی اور خدا سے غیب کی خبریں پانے والا بھی۔ اور اس طور سے خاتم النبیین کی مہر محفوظ رہی۔ کیونکہ میں نے انعکاسی اور ظلی طور پر محبت کے آئینہ کے ذریعہ سے وہی نام پایا۔" (ایک غلطی کا ازالہ)

مزید برآں امت محمدیہ کے معتدبہ گروہ یعنی شیعہ اور سنی اتفاق رکھتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آنے والے امام مہدی کے متعلق فرمایا ہے کہ اسے خدا کی طرف سے محمد اور احمد کا نام دیا جائے گا۔" (مشکوٰۃ باب خروج المہدی و بحار الانوار جلد ۱۳ ص۲۰۲)

اور ایسی آیات قرآنی کا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں نازل ہوئیں۔ کسی امتی پر الہام ہونا جائز ہے۔ چنانچہ مولوی عبدالجبار غزنوی والد ماجد مولوی داؤد غزنوی صاحب اپنی کتاب "اثبات الالہام والبیعت" میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"اگر الہام میں اسی آیت کا القاء ہو۔ جس میں خاص آنحضرت صلعم کو خطاب ہو۔ تو صاحب الہام اپنے حق میں خیال کر کے اس کے مضمون کو اپنے حال سے مطابق کرے گا۔ اور نصیحت پکڑے گا۔۔۔۔ اگر کوئی شخص ایک آیت کو جو پروردگار نے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں نازل فرمائی ہے۔ اسے اپنے پر وارد کرے۔ اور اس کے امر و نہی اور تاکید و ترغیب کو بطور اعتبار اپنے لئے سمجھے۔ تو بے شک وہ شخص صاحب بصیرت اور مستحق تحسین ہوگا۔

اگر کسی پر ان آیات کا القاء ہو۔ جن میں خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے مثلاً ۱ الم نشرح لک صدرک۔ کیا نہیں کھولا ہم نے واسطے تیرے سینہ تیرا۔ ۲ ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ ۳ فسیکفیکھم اللہ۔ ۴ فاصبر کما صبر اولوا العزم من الرسل۔ ۵ واصبر نفسک مع الذین یدعون ربھم بالغداوۃ والعشی یریدون وجھہ ۶ فصل لربک وانحر۔ ۷ ولا تطع من اغفلنا قلبہ عن ذکرنا واتبع ھواہ۔ ۸ جذبک

ضالاً فھدیٰ۔ تو بطریق اعتبار یہ مطلب نکالا جائے گا۔ کہ انشراح صدر و رضا اور انعام و ہدایت جس لائق یہ ہے۔ علیٰ حسب المنزلت اس شخص کو نصیب ہوگا۔ اور اس امر دینی وغیرہ میں اس کو آنحضرت کے حال میں شریک سمجھا جائے گا۔" (اشارات الامام، البقیۃ کلمہ ۱۲۳)

اسی طرح سید عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

"ثم ترفع الی الملک الاکبر
فتخاطب بانک الیوم لدینا
مکین امین"

(فتوح الغیب مع شرح فارسی مقالہ ۲۸ صفحہ ۱۷۱)

یعنی جب تو مرتبہ فنا میں کمال کو پہنچ جائے گا تو تیرا رفع اللہ کی طرف کیا جائے گا۔ اور خدا تجھے مخاطب کرے گا۔ کہ انک الیوم لدینا مکین امین۔ اور یہ قرآن مجید کی آیت ہے جو سورہ یوسف میں موجود ہے۔

اور مقامات امام ربانی مجدد الف ثانی مطبوعہ دہلی کے صفحہ ۱۳۵ میں لکھا ہے:۔

"کہ مجدد الف ثانی کے سب سے چھوٹے فرزند حضرت شاہ محمد یحییٰ کی ولادت سے پہلے حضرت مجدد صاحب کو الہام ہوا انا نبشرک بغلام اسمہ یحییٰ۔ اس روایت سے ان کا نام محمد یحییٰ ہوا۔"

حالانکہ یہ الہام حضرت زکریا علیہ السلام کو ہوا تھا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں مذکور ہے۔

(۲) پھر ایک حوالہ مولانا مودودی صاحب نے اعجاز احمدی کا یہ پیش کیا ہے کہ:۔

"اس کے لئے یعنی نبی کریم کے لئے چاند گرہن کا نشان ظاہر ہوا اور میرے لئے چاند اور سورج دونوں کا۔ اب کیا انکار کرے گا؟"

مولانا مودودی صاحب کے اس حوالہ کے پیش کرنے کی غرض اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین ثابت کرنا معلوم ہوتی ہے۔ جو درست نہیں۔ کیونکہ سورج اور چاند گرہن کا جو نشان ظاہر ہوا وہ آپ کی صداقت کا نشان اس لئے بنا۔ کہ احادیث کی کتب میں اسے مہدی کی علامت قرار دی گئی تھی۔ پس یہ نشان بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہوگا۔

چنانچہ اس سے پہلے اشعار میں آپ فرماتے ہیں۔ جن کا ترجمہ یہ ہے کہ میں محمد صلعم کے مال کا وارث بنایا گیا ہوں۔ پس میں اس کی آل برگزیدہ ہوں۔ کہ جس کو ورثہ پہنچ گیا۔ اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے میری طرح اور بھی بیٹے ہیں۔ اور وقت مدت تک ہوں گے۔ اور ہم نے اولاد کی طرح وراثت پائی۔ پس اس سے بڑھ کر اور کونسا ثبوت ہے۔ جو پیش کیا جائے۔ اور اس سے اگلے شعر میں چاند اور سورج کے گرہن کا ذکر فرمایا ہے۔ (اعجاز احمدی صفحہ ۷۱)

اور اس کے بعد آپ یہ فرماتے ہیں۔ جس کا ترجمہ یہ ہے اور سایہ کیونکر اپنے اصل سے مخالف ہو سکتا ہے۔ پس وہ روشنی جو اس میں ہے۔ وہ مجھ میں چمک رہی ہے۔ پس آپ کے لئے جو نشانات ظاہر ہوئے ہیں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی برکت ہے۔ پس اگر دو اُمتوں میں یہ خبر نہ ہوتی کہ چاند اور سورج گرہن مہدی موعود کی صداقت کی دلیل ہوگا۔ تو وہ نشان کیونکر ہو سکتا۔

یہ نشان بھی آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ورثہ میں ملا ہے۔ اس میں آنحضرت صلعم سے کوئی مقابلہ مقصود نہیں ہے۔

پھر آپ فرماتے ہیں کہ جو کچھ آپ کی تائید میں نشانات ظاہر ہو رہے ہیں سو وہ بھی دراصل سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات ہیں فرماتے ہیں:۔

"اسلام تو آسمانی نشانوں کا سمندر ہے کسی نبی سے اس قدر معجزات ظاہر نہیں ہوئے جس قدر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ کیونکہ پہلے نبیوں کے معجزات ان کے ساتھ ہی ختم ہو گئے۔ مگر ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اب تک ظہور میں آ رہے ہیں۔ اور قیامت تک ظاہر ہوتے رہیں گے۔ اور جو کچھ میری تائید میں ظاہر ہوتا ہے۔ در اصل وہ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات ہیں۔"

(تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۵)

۳۔ سخت الفاظ کا جواب:۔

پھر مولانا مودودی صاحب نے آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۵۴۷ اور نجم الہدیٰ صفحہ ۱۰ اور انوار الاسلام صفحہ ۳۰ کے حوالہ جات پیش کئے ہیں۔ جن سے ان کا مقصد یہ ہے کہ نعوذ باللہ بانی جماعت احمدیہ نے علماء کو اور عامۃ المسلمین کو گالیاں دی ہیں۔ حالانکہ ان حوالہ جات میں آپ کے مخاطب عام مسلمان نہیں۔ بلکہ خاص اشخاص مراد ہیں۔ کیونکہ حضور شرافت ذاتی رکھنے والے اور نیک چلن پادری اور شریف مسلمانوں کے متعلق اپنی کتاب "ایام الصلح" ٹائٹل پیج صفحہ ۲ میں فرماتے ہیں

"ہماری اس کتاب اور دوسری کتابوں میں کوئی لفظ یا کوئی اشارہ ایسے معزز لوگوں کی طرف نہیں ہے جو بدزبانی اور کمینگی کے طریق اختیار نہیں کرتے۔"

اسی طرح لجۃ النور صفحہ ۶۷ میں فرماتے ہیں۔ جس کا ترجمہ درج ذیل ہے:۔

"ہم صالح اور مہذب شرفاء کی ہتک سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔ خواہ مسلمانوں میں سے ہوں۔ خواہ عیسائیوں میں سے یا آریوں میں سے۔ ہمارے نزدیک سب قابل عزت ہیں۔ بلکہ نہیں تو ان کے بیوقوفوں سے بھی واسطہ نہیں۔ ہمارے مخاطب تو صرف وہ لوگ ہیں۔ جو اپنی بدزبانی اور گندہ دہانی کی وجہ سے مشہور ہو چکے ہیں۔ اور جو لوگ نیک ہیں اور بدزبان نہیں۔ ہم ان کا ذکر ہمیشہ بھلائی کے ساتھ کرتے ہیں۔ اور ان کی عزت کرتے ہیں بلکہ بھائیوں کی طرح ان سے محبت کرتے ہیں"

پس جن الفاظ کو مولانا مودودی صاحب سخت الفاظ قرار دیتے ہیں۔ اگر ان کے نظریہ کے مطابق وہ سخت الفاظ سمجھے بھی جائیں۔ تو ان کے مصداق صرف ایسے ہی چند لوگ ہیں۔ جن کا ذکر مذکورہ بالا تحریر میں کیا گیا ہے۔

سیاہی قرآن مجید میں کفار کے متعلق بظاہر سخت الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ گو طریق بیان عام ہے۔ لیکن مراد خاص لوگ ہیں۔ چنانچہ مولانا شبلی نعمانی ایسے قرآنی کلمات کی طرف اشارہ کر کے فرماتے ہیں۔

"قرآن مجید میں بہت سی اعلانیہ ان بدکاروں کی شان میں آیتیں نازل ہوئی تھیں۔ اور گو طریقہ بیان عام ہوتا تھا لیکن لوگ جانتے تھے۔ کہ روئے سخن کن کی طرف ہے۔"

(سیرۃ النبی جلد اول طبع اول صفحہ ۲۰۲)

اسی طرح حضرت بانی جماعت احمدیہ کی مذکورہ بالا تحریروں سے واضح ہے۔ کہ آپ کی تحریروں میں جہاں کہیں کوئی سخت لفظ استعمال ہوا ہے۔ تو اس کے مصداق معین قسم کے خاص ہیں۔ عام لوگ مراد نہیں۔ اور عقلاً یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ کہ وہ شخص جو سب لوگوں کو حق کی طرف بلائے۔ اور اسے قبول کرنے کی تلقین کرے۔ وہ ان کے حق میں سخت الفاظ استعمال نہیں کر سکتا۔ وہ بیان واقعہ کے طور پر صرف انہی لوگوں کے حق میں کرے گا جو اپنی بدزبانی اور بدکرداری کے لحاظ سے اس کا مصداق ہو چکا ہوگا۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جن کی تعلیم حد درجہ نرمی اور محبت پر مبنی تھی انہیں بھی اپنے وقت کے فقیہی اور فریسی علماء کے حق میں ان کی گالیوں اور بدکرداری کے جواب میں بیان واقعہ کے طور پر "بد اور حرامکار" اور "سانپ اور سانپوں کے بچے" اور "ریاکار" اور "شیطان" وغیرہ کے الفاظ استعمال کرنے پڑے۔

حضرت بانی جماعت احمدیہ کی علماء سے درخواست کہ کوئی فریق سخت زبانی نہ کرے۔

حضرت بانی جماعت احمدیہ نے کئی مرتبہ علماء سے درخواست کی کہ وہ سخت زبانی سے باز آ جائیں۔ مگر انہوں نے ہمیشہ آپ کی درخواست کو متکبرانہ انداز میں رد کر دیا۔ چنانچہ ایک دفعہ ۱۸۹۶ء میں حضرت بانی جماعت احمدیہ نے علماء سے سات سال کے لئے مخالفت چھوڑنے کی درخواست کی جیسا کہ پیرا ۱۴ میں بحوالہ ضمیمہ انجام آتھم ذکر ہو چکا ہے۔ اسی طرح ایک مرتبہ ۵ مارچ ۱۹۰۱ء کو آپ نے "الصلح خیر" کے زیر عنوان ایک اشتہار شائع کیا۔ جس میں آپ نے علماء کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا:۔

"آج پھر میرے دل میں خیال آیا۔ کہ میں ایک مرتبہ پھر آپ صاحبوں کی خدمت میں مصالحت کے لئے درخواست کروں۔ مصالحت سے میری مراد یہ نہیں کہ میں آپ صاحبوں کو اپنے عقیدہ بنانے کے لئے مجبور کروں۔ یا اپنے عقیدہ کی نسبت اپنی بصیرت کے مخالف کوئی کمی بیشی کروں۔ جو مجھ سے معاف رکھنی ہے بلکہ اس جگہ مصالحت سے صرف یہ مراد ہے کہ فریقین ایک پختہ عہد کریں کہ وہ اور ان کے تمام لوگ جو ان کے زیر اثر ہیں۔ ہر ایک قسم کی سخت زبانی سے باز رہیں۔ (سخت زبانی میں یہ بات داخل ہوگی۔ کہ ایک فریق دوسرے فریق کو ان الفاظ سے یاد کرے کہ وہ دجال ہے یا بے ایمان ہے یا فاسق ہے مگر یہ کہنا کہ اس کے بیان میں غلطی ہے یا وہ خاطی یا مخطی ہے سخت زبانی میں داخل نہ ہوگا منہ) اور کسی تحریر یا اشارہ کنایہ سے فریق مخالف کی عزت پر حملہ نہ کریں۔ اور اگر دونوں فریق میں سے کوئی صاحب فریق مخالف کی مجلس میں جائیں۔ تو جیسا کہ شرط تہذیب اور شائستگی ہے۔ فریق ثانی سے مدارات سے پیش آئیں ...... اور میں نے یہ انتظام کر دیا ہے۔ کہ ہماری جماعت میں سے کوئی شخص تحریر یا تقریر کے ذریعہ سے کوئی ایسا مضمون شائع نہیں کرے گا جس میں آپ صاحبوں میں سے کسی صاحب کی تحقیر اور توہین کا ارادہ کیا گیا ہو۔ اور اس انتظام پر اس وقت سے پورا عمل درآمد ہوگا۔ جب کہ آپ صاحبوں کی طرف سے اسی مضمون کا ایک اشتہار نکلے گا۔ کہ آئندہ آپ پورے عہد سے ذمہ دار ہو جائیں گے۔ کہ آپ صاحبان اور نیز ایسے لوگ جو آپ کے زیر اثر ہیں یا زیر اثر سمجھے جا سکتے ہیں۔ ہر ایک قسم کی بدزبانی اور ہجو اور سب و شتم سے مجتنب رہیں گے اور اس نئے معاہدہ سے آئندہ اس بات کا تجربہ ہو جائے گا کہ کس فریق کی طرف سے زیادتی ہے۔ اس سے آپ صاحبوں کو ممانعت نہیں۔ کہ تہذیب سے رد لکھیں اور نہ ہم اس طریق سے رک سکتے ہیں۔ لیکن دونوں فریق پر واجب ہوگا۔ کہ ہر ایک قسم کی بدزبانی اور بدگوئی سے منہ بند کریں مجھے بہت خوشی ہوگی۔ جب آپ کی طرف سے یہ اشتہار پہنچے گا۔ اور اسی تاریخ سے ان تمام امور پر ہماری طرف سے بھی عمل درآمد شروع ہوگا۔ بالفعل اس اندرونی تفرقہ کے مٹانے کے لئے اس سے بہتر کوئی تدبیر نہیں۔"

(تبلیغ رسالت جلد دہم صفحہ ۸)

علما کا جواب :-

علما کی طرف سے اس اشتہار کا جواب مولوی **عبدالاحد صاحب** خانپوری نے زیر عنوان اظہار مخادعت مسیلمہ قادیانی بجواب اشتہار **مصالحت** پونس ثانی الملقب بہ کشف الغطاء عن ابصار اھل العمی ۱۹۰۱ء کو غیر احمدیوں کی طرف سے اسٹرمیں احمدیوں کی مخالفت کا ذکر کرتے ہوئے یہ دیا :-

"مرزائی ان (احمدیوں) کو کہا کہ صبر کرو میں لوگوں سے صلح کرتا ہوں۔ اگر صلح ہوگئی تو مسجد بنانے کی کچھ حاجت نہیں۔ اور نیز اور بہت قسم کی ذلتیں اٹھائیں۔ معاملہ و برتاؤ مسلمانوں سے بند ہوگیا۔ عورتیں منکوحہ و مخطوبہ بوجہ مرزائیت کے چھینی گئیں مردے ان کے بے تجہیز و تکفین اور جنازہ گڑھوں میں دبائے گئے وغیرہ وغیرہ تو کذاب قادیانی نے یہ اشتہار مصالحت کا دیا۔"

اب ہم ذیل میں آئینہ کمالات اسلام اور نجم الہدیٰ اور انوار الاسلام سے پیش کردہ حوالہ جات کا جواب لکھتے ہیں۔

آئینہ کمالات اسلام کا حوالہ

مودودی صاحب اور جماعت اسلامی نے حضرت بانی جماعت احمدیہ کی کتاب آئینہ کمالات اسلام کے حوالہ سے لکھا ہے :-

کل مسلمانوں نے میری دعوت کو قبول کر لیا ہے اور میری دعوت کی تصدیق کرتا ہے۔ مگر کنجریوں اور بدکاروں کی اولاد نے مجھے نہیں مانا۔ (آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۵۴۷) اصلی عبارت عربی زبان میں ہے جس کا خلاف منشاء متکلم غلط ترجمہ کیا گیا ہے۔ اور ان کے اس ترجمہ کے غلط ہونے کا ثبوت مندرجہ ذیل ہے۔

الف :- ذریۃ البغایا جس کا ترجمہ کنجریوں اور بدکاروں کی اولاد کیا گیا ہے اس کی تفسیر حضرت بانی جماعت احمدیہ نے اسی جگہ یہ کی ہے الذین ختم اللہ علیٰ قلوبھم فھم لا یقبلون یعنی **ذریۃ البغایا** وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ تعالیٰ نے مہر کر دی ہے۔ وہ قبول نہیں کریں گے۔ یعنی رشد و ہدایت سے محروم لوگ۔

(ب) آئینہ کمالات اسلام کی اشاعت کے وقت۔ آپ کے ماننے والوں کی تعداد نہایت قلیل تھی۔ چنانچہ اسی کتاب کے ضمیمہ میں اس سال کے جلسہ سالانہ میں قادیان سے باہر سے آنے والے مہمانوں کی تعداد ۳۲۷ لکھی ہے۔ اور اس وقت زیادہ سے زیادہ دو تین ہزار احمدی ہوں گے۔ اگر مودودی صاحب کے ترجمہ کو صحیح مانا جائے۔ تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ کے ماننے والوں کے سوا۔ تمام ذریۃ البغایا ہیں۔ اور وہ آپ کو ہرگز نہیں مانیں گے۔ ظاہر ہے کہ یہ مفہوم بالبداہت غلط اور باطل ہے۔ کیونکہ ۱۸۹۳ء کے بعد ہزارہا بلکہ لاکھوں اشخاص غیر احمدیوں میں سے جماعت احمدیہ میں داخل ہوئے۔ پس یقینی طور پر مولانا مودودی صاحب کا مفہوم باطل اور بے بنیاد ہے۔

ج :- تیسرا ثبوت اس بات کا کہ محولہ بالا عبارت میں عام غیر احمدی مسلمان **مراد نہیں** ہیں۔ یہ ہے کہ حضرت بانی جماعت احمدیہ نے اس کتاب کے صفحہ ۵۳۵ پر ملکہ وکٹوریہ آنجہانی کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتے ہوئے مسلمانوں کی طرف ان الفاظ میں توجہ دلائی ہے۔ ترجمہ از عربی الفاظ :-

"اے قیصرہ میں آپ کو للہ نصیحت کرتا ہوں کہ مسلمان تیرے بازو ہیں۔ اور انہیں آپ کی مملکت میں ایک خصوصیت حاصل ہے۔ اسی لئے آپ کو چاہیے کہ مسلمانوں پر خاص نظر عنایت رکھیں اور ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچائیں اور ان کی تالیف قلب کریں اور اپنے اکثر مقرب انہیں میں سے رکھیں۔"

نیز فرمایا :-

"وہ اس ملک میں ایک ہزار سال تک حکومت کر چکے ہیں۔ اور انہیں اس ملک میں ایک خاص شان حاصل تھی۔ اور وہ ہندوؤں پر حاکم رہے ہیں۔ پس آپ کے لئے یہی مناسب ہے کہ آپ ان سے عزت کا معاملہ کریں اور بڑے بڑے عہدے اور مناصب ان کے سپرد کریں۔" (ملخصاً)

جب بانی جماعت احمدیہ پیش کردہ حوالہ سے پہلے اس کتاب میں مسلمانوں سے نہایت ہمدردی کا اظہار فرماتے ہیں اور ملکہ وکٹوریہ آنجہانی کو اسلام کی دعوت دیتے ہوئے مسلمانوں کے ساتھ نرمی کا سلوک کرنے اور اعلیٰ عہدے اور مناصب دینے کا مشورہ دیتے ہیں۔ تو یہ کیونکر باور کیا جا سکتا ہے۔ کہ اس کے معاً بعد ان کو کنجریوں کی اولاد اور بدکاروں کی اولاد قرار دیں اور ایسے الفاظ استعمال کریں۔ جو ان کی دلشکنی کا باعث ہوں۔

اور پھر اسی کتاب کے ضمیمہ زیر عنوان "قیامت کی نشانی"۔ صفحہ ۲ میں چند مولویوں کے اعتراضات کے جوابات دیتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"غرض ایسے لوگ جو مولوی کہلاتے ہیں اسلام اور دین کے دشمن اور یہودیوں کے قدموں پر چل رہے ہیں۔ مگر ہمارا یہ قول کلی نہیں ہے۔ راستباز علماء اس سے باہر ہیں۔ صرف خائن مولویوں کے متعلق یہ لکھا گیا ہے۔ ہر ایک مسلمان کو دعا کرنی چاہیئے کہ خدا تعالیٰ جلد اسلام کو ان خائن مولویوں کے وجود سے رہائی بخشے۔"

پس اس جگہ ذریۃ البغایا کا مصداق تمام ان مسلمانوں کو قرار دینا غلط ہے جو آپ کی جماعت میں داخل نہیں ہوئے تھے۔

(د) اسی طرح صفحہ ۳۸۳ پر آپ نے مسلمان قوم کو خطاب کرتے ہوئے لکھا کہ اے قوم جیسا کہ علماء سو مجھ پر افترا کر کے مجھے کافر قرار دے رہے ہیں۔ میں کافر نہیں ہوں۔ پھر آپ نے اپنے عقائد تحریر فرمائے ہیں اور پھر لکھا ہے :-

"سچا میں عاشق اسلام ہوں اور حضرت خیر الانام کا فدائی ہوں اور احمد مصطفیٰ کا ایک خادم اور غلام ہوں جب سے میں جوان ہوا اور مجھے کتابوں کے لکھنے کی توفیق ہوئی میری یہی دلی خواہش رہی کہ میں اللہ تعالیٰ کے روشن تر دین کی طرف مخالفین کو دعوت دوں۔ پس میں نے ہر ایک مخالف کے نام کتاب بھیجی اور چھوٹے بڑوں کو اسلام کی طرف دعوت دی اور نشان دکھلانے کا وعدہ کیا۔"

یہ عبارت صفحہ ۲۸۸ - ۲۸۹ کی ہے۔ اب ہم پیش کردہ حوالہ سے پہلے کی عبارت کا ترجمہ لکھتے ہیں۔ آپ اپنی خدمات اسلامی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

"جب میں بیس سال کا ہوا تبھی سے میرے دل میں یہ خواہش رہی کہ میں آریوں اور عیسائیوں کے ساتھ مقابلہ کروں۔ چنانچہ میں نے براہین احمدیہ اور سرمہ چشم آریہ توضیح۔ ازالہ۔ فتح اسلام کتابیں لکھیں اور اب دافع الوساوس تالیف کی ہے جو ان لوگوں کے لئے بہت مفید کتاب ہے جو اسلام کا حسن ظاہر کرنا چاہتے ہیں۔ اور مخالفوں کے منہ بند کرنا چاہتے ہیں۔ یہ کتب ایسی ہیں جو کو مسلمان محبت و مودت کی آنکھ سے دیکھتا ہے۔ اور ان کے معارف سے نفع اٹھاتا ہے۔ اور مجھے قبول کرتا ہے۔ اور میری دعوت کی (یعنی دعوت اسلام) کی تصدیق کرتا ہے۔ لیکن ذریۃ البغایا جن کے دلوں پر اللہ تعالیٰ نے مہر کر دی ہے تو وہ قبول نہیں کرتے۔"

یعنی مذکورہ بالا کتابوں میں سے کسی بات کو قبول نہیں کرتے۔

ظاہر ہے کہ براہین احمدیہ میں آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کامل رسول ہونا اور قرآن مجید کا کامل کتاب ہونا ثابت کیا ہے اور عام مسلمان اسی کتاب کے مداح تھے۔ چنانچہ خود مولوی محمد حسین بٹالوی نے اس کتاب پر نہایت شاندار ریویو لکھا۔ اسے فی زمانہ بے نظیر کتاب اور اس کے مؤلف کو بے نظیر مؤید اسلام قرار دیا۔ اور کتاب سرمہ چشم آریہ جس کا ذکر اس جگہ ہوا ہے۔ یہ کتاب انجمن حمایت اسلام لاہور نے بھی شائع کی تھی۔

اپنی خاص دعوت کے متعلق آپ پیش کردہ عبارت کے بعد لکھتے ہیں :-

"اور جب میری اپنی عمر کو پہنچا۔ اور چالیس سال کا ہوا تو میرے پاس نسیم وحی میرے رب کی عنایت لائی تا میری معرفت اور یقین کو زیادہ کرے۔" پھر آپ نے اس کی تفصیل بیان کی ہے۔

الغرض خود آئینہ کمالات اسلام اس بات کی شاہد ہے۔ کہ اس جگہ عام مسلمان مراد نہیں۔ بلکہ در حقیقت اسلام کے اشد مخالفین یا بطور تنزل مولویوں کا خاص متعصب اور دشنام طراز حصہ مراد ہے۔ جنہوں نے براہین احمدیہ کے چھپنے پر بھی کفر و الحاد کا فتویٰ لگایا تھا۔

ذریۃ البغایا کا صحیح مطلب

تاج العروس میں جو کہ عربی لغت کی مستند کتاب ہے لکھا ہے۔ البغی مطلق لونڈی کو بھی کہا جاتا ہے۔ چاہے وہ فاجرہ ہو یا نہ ہو اور صراح (عربی ڈکشنری) میں لکھا ہے یقال للامۃ بغیاً ولا یراد به الشتم والبغایا ایضاً الطلائع التی تکون قبل ورود الجیش (صراح زیر لفظ بغی) یعنی جب غلام عورت کو بغی کہا جاتا ہے۔ تو اس سے مراد گالی نہیں ہوتی۔ اسی طرح اس ہراول دستے کو کہتے ہیں۔ جو مقدمۃ الجیش یعنی لشکر کے آگے آگے ہو۔ پس اس صورت میں ذریۃ البغایا کا یہ مطلب ہوگا۔ کہ ایسے لوگ جو خود کو لوگوں کے پیشوا اور امام سمجھتے ہیں۔ یا تکفیر بازی میں پیش پیش ہیں۔ علاوہ ازیں بغی کے معنی سرکش اور متکبروں کے بھی ہیں اس لحاظ سے ذریۃ البغایا کے معنی سرکش اور متکبر لوگوں کے ہوں گے اور خود بانی جماعت احمدیہ نے ابن البغایا کے معنی سرکش انسان کے لئے ہیں۔ چنانچہ آپ نے سعد اللہ لدھیانوی کے متعلق اپنے شعر :-

اٰذیتنی خبثاً فلست بصادق
ان لم تمت بالخزی یا ابن بغاء

کا یہ ترجمہ فرمایا ہے۔

"یعنی خباثت سے تو نے مجھے ایذا دی ہے پس اگر اب تو رسوائی سے ہلاک نہ ہوا۔ تو میں اپنے دعویٰ میں سچا نہ ٹھہروں گا۔ اے سرکش انسان۔"

(ملاحظہ ہو الحکم جلد ۱۱ بابت ۲۴ فروری ۱۹۰۷ء صفحہ ۱۲ کالم ۲)

(ط) شیعوں کی حدیث کی معتبر ترین کتاب "کافی کلینی" کے حصہ سوم موسوم بہ فروع کافی، مطبوعہ نولکشور لکھنؤ کے آخری حصہ یعنی کتاب الروضہ میں ابو حمزہ سے روایت ہے۔ کہ میں نے حضرت امام باقر علیہ السلام سے کہا کہ بعض لوگ اپنے مخالفین پر کئی کئی طرح کے بہتان لگاتے اور افتراء کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ایسے لوگوں سے بچکر رہنا چاہیے پھر کہا :-

واللہ یا ابا حمزہ ان الناس کلھم اولاد بغایا ما خلا شیعتنا۔ (کتاب الروضہ مذکورہ بالا صفحہ ۱۳۵)

اے ابو حمزہ خدا کی قسم ہمارے شیعوں کے سوا باقی تمام لوگ اولاد بغایا ہیں۔ اسی طرح

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں :۔
"من احبنا کان نطفۃ العبد ومن ابغضنا کان نطفۃ الشیطان" (فروع کافی جلد ۲ کتاب النکاح ص ۲۱۶ مطبوعہ نولکشور)
کہ جو شخص ہم سے محبت رکھتا ہے۔ وہ اچھے آدمی کا نطفہ ہے۔ مگر وہ جو ہم سے عداوت رکھتا ہے وہ نطفۂ شیطان ہے"۔

کیا یہ تصور کیا جا سکتا ہے۔ کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اور حضرت امام باقر علیہ السلام جیسے جلیل القدر اماموں نے شیعوں کے علاوہ تمام مسلمانوں کو اولاد البغایا اور نطفۂ شیطان قرار دیا تھا۔ ہرگز نہیں کیونکہ اس قسم کے الفاظ سے صرف اظہار ناراضگی مقصود ہوتا ہے اور ان الفاظ کی حقیقۃ لغوی مراد نہیں ہوتی۔ چنانچہ جب احراریوں کے سامنے یہ حوالہ دکھایا گیا۔ تو انہوں نے اخبار مجاہد میں اس حوالہ کا یہ جواب دیا تھا :۔

" ولد البغایا ابن الحرام اور ولد الحرام ابن الحلال وغیرہ یہ سب عرب کا اور ساری دنیا کا محاورہ ہے۔ جو شخص نیکو کاری کو ترک کر کے بدکاری کی طرف جاتا ہے۔ اسکو باوجودیکہ اس کا حسب نسب درست ہو صرف اعمال کی وجہ سے ابن الحرام ولد الحرام کہتے ہیں۔ اندریں حالت امام علیہ السلام کا اپنے مخالفین کو اولاد البغایا کہنا بجا اور درست ہے (اخبار مجاہد لاہور ۱۸ مارچ ۱۹۳۶ء)

پس آئینہ کمالات اسلام کی عبارت میں بھی ذریۃ البغایا سے مراد ہدایت سے دور سرکش انسان ہی ہیں نہ کہ سچ مچ ولد الزنا اور حرام زادے۔

نجم الہدیٰ کا حوالہ

مولانا مودودی صاحب بحوالہ نجم الہدیٰ ص ۱۰ لکھتے ہیں :۔
" بلا شبہ ہمارے دشمن بیابانوں کے خنزیر ہو گئے اور ان کی عورتیں کتیوں سے بھی بڑھ گئیں"۔

جواب :۔
نجم الہدیٰ کے [illegible]ربی شعر میں جس کا ترجمہ مولانا مودودی صاحب نے پیش کیا ہے۔ مسلمان کا لفظ نہیں بلکہ دشمن کا ہے۔ اور دشمن سے بھی مراد وہ دشمن ہے جو گندی گالیاں دینے کے عادی تھے۔ اور اگر ان گندی گالیوں کا نمونہ دیکھنا ہو تو دیکھو (کتاب البریہ) فرمایا ہے کہ ہمارے دشمن بیابانوں کے خنزیر ہو گئے اور اگلے شعر میں ان دشمنوں کی یہ حالت بیان کی ہے

سبوا وما ادری لای جریمۃ
سبوا انعصی الحب ام نتجنب

ان دشمنوں نے مجھ کو گالیاں دی ہیں اور نہ معلوم کس جرم کی پاداش میں انہوں نے مجھ سے ایسا سلوک کیا ہے۔ کیا ان کے گالیاں نکالنے کی وجہ سے ہم اپنے محبوب کی مخالفت کریں یا اس سے کنارہ کریں۔

پس یہ کہنا غلط ہے کہ یہ الفاظ شریف مسلمانوں یا شریف عیسائیوں وغیرہ کے متعلق استعمال کئے گئے ہیں۔ بلکہ یہ صرف چند دشمنوں کے حق میں الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ جو گالیاں دینے کے عادی اور خنزیری صفات کا اظہار کرنے والے تھے۔ اور ان کی عورتیں ان کے نقش قدم پر چل کر سیاپے کرتیں اور گالیاں دیتی تھیں۔ اور شعر میں مسلمانوں کا لفظ نہیں ہے۔ بلکہ دشمنوں کا لفظ ہے۔

انوار الاسلام کا حوالہ

پھر مولانا مودودی صاحب نے بحوالہ انوار الاسلام ص ۳۰ لکھا ہے کہ بانی جماعت احمدیہ نے یہ لکھا ہے :۔
" جو شخص ہماری فتح کا قائل نہ ہو گا۔ تو صاف سمجھا جائے گا کہ اس کو ولد الحرام بننے کا شوق ہے"۔

یہ عبارت مولانا مودودی صاحب نے قطع و برید کر کے پیش کی ہے اور اس سے نہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ فتح سے کیا مراد ہے اور کس کے مقابل میں۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ انوار الاسلام میں بانی جماعت احمدیہ نے پادری عبد اللہ آتھم کے متعلق پیشگوئی پر مولوی عبد الحق غزنوی، سعد اللہ لدھیانوی مولوی ثناء اللہ امرتسری کی نکتہ چینیوں کا جواب دیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ وہ مدت معینہ کے اندر اس لئے نہیں مرا کہ خدا تعالیٰ نے مجھے الہاماً بتایا تھا۔ کہ اس نے پیشگوئی کی شرط۔ "بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے"۔ سے فائدہ اٹھایا ہے۔ لیکن ان چند مولویوں نے اس کی تکذیب کی اور آپؑ کو گالیاں دیں اور عیسائیوں کو غالب اور فاتح قرار دیا۔ تو آپؑ نے انوار الاسلام میں لکھا :
"ہاں اگر یہ دعویٰ کرو۔ کہ عبد اللہ آتھم نے ایک ذرہ حق کی طرف رجوع نہیں کیا۔ اور نہ ڈرا تو ہمیں اس دعویٰ کی بیخ کنی کے لئے یہ سیدھا اور صاف معیار کہ ہم عبد اللہ آتھم کو دو ہزار روپیہ نقد دیتے ہیں۔ وہ تین مرتبہ قسم کھا کر یہ اقرار کرے۔ کہ میں نے ایک ذرہ بھی اسلام کی طرف رجوع نہیں کیا۔ اور نہ اسلامی پیشگوئی کی عظمت میرے دل میں سمائی۔ بلکہ برابر سخت دل دشمن اسلام رہا۔ اور مسیح کو برابر خدا ہی کہتا رہا۔ پھر ہم اگر اسی وقت بلا توقف دو ہزار روپیہ نہ دیں تو ہم پر لعنت اور ہم جھوٹے اور ہمارا الہام جھوٹا۔ اور اگر عبد اللہ آتھم قسم نہ کھائے۔ یا قسم کی سزا میعاد کے اندر نہ دیکھے تو ہم سچے اور ہمارا الہام سچا۔ پھر بھی اگر کوئی تحکم سے ہماری تکذیب کرے اور اس معیار کی طرف متوجہ نہ ہو اور ناحق سچائی پر پردہ ڈالنا چاہے تو وہ بیشک ولد الحلال اور نیک ذات نہیں ہو گا۔ بلکہ خواہ مخواہ حق سے روگرداں ہوتا ہے۔ اور اپنی شیطنت سے کوشش کرتا ہے کہ سچے جھوٹے ہو جائیں۔" (انوار الاسلام ص ۲۹)

اور ص ۳۰ پر فرماتے ہیں :۔
" اب جو شخص اس صاف فیصلہ کے خلاف شرارت اور عناد کی راہ سے بکواس کرے گا اور اپنی شرارت سے بار بار کہے گا کہ عیسائیوں کی فتح ہوئی اور کچھ شرم و حیا کو کام میں نہیں لائے گا۔ اور بغیر اس کے جو ہمارے اس فیصلہ کا انصاف کی رو سے جواب دے سکے۔ انکار اور زبان درازی سے باز نہیں آئے گا اور ہماری فتح کا قائل نہیں ہو گا۔ تو صاف سمجھا جائے گا کہ اس کو ولد الحرام بننے کا شوق ہے اور حلال زادہ نہیں ہے۔ حلال زادہ بننے کے لئے۔ واجب یہ تھا کہ اگر وہ مجھے جھوٹا جانتا ہے۔ اور عیسائیوں کو غالب اور فتح یاب قرار دیتا ہے۔ تو میری اس حجت کو واقعی طور پر رفع کرے جو میں نے پیش کی ہے۔ پس اس پر کھانا پینا حرام ہے۔ اگر وہ اشتہار کو پڑھے اور مسٹر عبد اللہ آتھم کے پاس نہ جائے اور اگر خدا تعالیٰ کے خوف سے نہیں تو اس گندے لقب کے خوف سے بہت زور لگا دے تا کہ وہ کلمات مذکورہ کا اقرار کرے اور تین ہزار روپیہ لے لے۔

اس طرح ص ۳۲ میں یہ ذکر کر کے کہ آتھم کے قسم کی طرف رخ نہ کرنے اور انعام نہ لینے سے صاف ثابت ہے کہ اس نے خوف کے دنوں میں درپردہ اسلام کی طرف رجوع کیا تھا۔ فرماتے ہیں :۔
" بس یہ تمام تر صفائی ثابت ہے کہ ہماری فتح ہوئی اور دین اسلام غالب رہا۔ پھر بھی اگر کوئی عیسائیوں کی فتح کے گیت گاتا رہے۔ تو اسے اللہ تعالیٰ کی قسم ہے کہ آتھم کو قسم کھانے پر مستعد کرے۔ اور ہم سے تین ہزار روپیہ دلا دے اور میعاد گزرنے کے بعد ہم کو بیشک منہ کالا دجال کہے۔ اگر ہم نے اس میں افترا کیا ہے تو بیشک ہمارے آگے آ جائے گا۔ اور ہماری ذلت ظاہر ہو گی۔ لیکن اے میاں عبد الحق۔ اگر اس تحریر کو سن کر چپ ہو جاؤ۔ تو بتلا کہ سچی لعنت کس پر پڑی۔ اور واقعی طور پر منہ کس کا کالا ہوا"۔

اس سے ظاہر ہے کہ اس تحریر کے مخاطب عام مسلمان نہیں ہیں۔ بلکہ خاص طور پر میاں عبد الحق ہیں۔ جنہوں نے اسلام کے بالمقابل عیسائیوں کی حمایت کی تھی

نزول المسیح و ضمیمہ نزول المسیح کے حوالے

امام حسین علیہ السلام کے متعلق جو دو حوالہ جات مولانا مودودی صاحب نے پیش کئے ہیں۔ ان میں سے پہلا حوالہ غالی شیعوں کے خیالات کی تردید میں ہے۔ جو غلو کر کے حضرت امام حسین علیہ السلام کو درجہ معبودیت تک پہنچاتے تھے۔ چنانچہ اعجاز احمدی ص ۸۲ پر آپؑ نے انہیں حسین علیہ السلام کے عبادت کرنے والے اور ص ۸۱ میں مصائب اور دکھوں کے وقت انہیں خدا کی طرح یاد کرنے والے لکھا ہے۔ اور چونکہ حضرت امام حسین علیہ السلام کا کوئی دعویٰ معبودیت کا نہ تھا۔ اس لئے اس سے ان کی اصل شان کی تنقیص نہیں ہوتی ایسے ہی طریق پر مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی مدرسہ دیو بند نے اپنی کتاب "ہدیۃ الشیعہ" میں شیعوں کے عقائد کو مد نظر رکھتے ہوئے متعدد نکتہ چینیاں کی ہیں۔ اور لکھا ہے کہ اس میں جو کچھ مذکور ہے وہ ناچار بغرض الزام شیعہ لکھا گیا ہے۔ حضرت بانی جماعت احمدیہ نے اس کتاب اعجاز احمدی میں جس سے یہ شعر ماخوذ ہیں لکھا ہے :
" میں نے اس قصیدے میں جو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی نسبت لکھا ہے۔ یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت بیان کیا ہے یہ انسانی کارروائی نہیں۔ خبیث ہے وہ انسان جو اپنے نفس سے کاملوں اور راستبازوں پر زبان دراز کرتا ہے۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ کوئی شخص حسین رضی اللہ عنہ یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسے راستباز پر بدزبانی کر کے ایک رات بھی زندہ نہیں رہ سکتا اور وعید من عادیٰ لی ولیا دست بدست اس کو پکڑ لیتا ہے"۔ (اعجاز احمدی ص ۳۸)

امام حسین علیہ السلام کا جو بلند مرتبہ اور عالی مقام حضرت بانی جماعت احمدیہ کے نزدیک تھا۔ وہ آپؑ کے اشتہار "تبلیغ حق" مؤلفہ ۸ اکتوبر ۱۹۰۵ء سے ظاہر ہے جس میں آپؑ نے تحریر فرمایا ہے :۔
میں اس اشتہار کے ذریعہ اپنی جماعت کو اطلاع دیتا ہوں کہ ہم اعتقاد رکھتے ہیں کہ یزید ایک ناپاک طبع دنیا کا کیڑا اور ظالم تھا۔ جن معنوں کی رو سے کسی کو مومن کہا جاتا ہے وہ معنی اس میں موجود نہ تھے۔ مومن بننا کوئی سہل امر نہیں ہے..... دنیا کی محبت نے اس کو اندھا کر دیا تھا۔ مگر حسین رضی اللہ عنہ طاہر مطہر تھا۔ اور بلاشبہ ان برگزیدوں سے ہے جن کو خدا تعالیٰ اپنے ہاتھ سے صاف کرتا ہے اور اپنی محبت سے معمور کرتا ہے۔ اور بلاشبہ وہ سرداران بہشت میں سے ہے۔ اور ذرہ کینہ رکھنا اس سے موجب سلب ایمانی ہے۔ اور اس امام کا تقویٰ اور محبت اور صبر اور استقامت اور زہد اور عبادت ہمارے لئے اسوۂ حسنہ ہے اور ہم اس معصوم کی ہدایت کی اقتدا کرنے والے ہیں۔ تباہ ہو گیا وہ دل جو اسکا دشمن ہے۔ اور کامیاب ہو گیا وہ دل جو عملی رنگ میں اسکی محبت ظاہر کرتا ہے اور اسکے ایمان اور اخلاق اور شجاعت اور تقویٰ اور استقامت اور محبت الٰہی کے تمام نقوش انعکاسی طور پر کامل پیروی کے ساتھ اپنے اندر لیتا ہے...... غرض یہ امر نہایت درجہ کی شقاوت اور بے ایمانی میں داخل ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ کی تحقیر کی جائے۔ اور جو شخص حسین رضی اللہ عنہ کی یا کسی اور بزرگ کی جو آئمہ مطہرین میں سے ہو تحقیر کرتا ہے یا کوئی کلمہ استخفاف کا ان کی نسبت اپنی زبان پر لاتا ہے۔ وہ اپنے ایمان کو ضائع کرتا ہے۔ کیونکہ اللہ جل شانہٗ اس کا دشمن ہو جاتا ہے جو اس کے پیاروں اور برگزیدوں کا دشمن ہو"۔

(۲) اسی طرح حضرت بانی جماعت احمدیہ کے دوسرے پیش کردہ شعر سے
کربلائیست سیر ہر آنم ۔ صد حسین است در گریبانم
سے کسی مخالف کا امام حسین علیہ السلام کی تحقیر نکالنا حضور [illegible] مندرجہ بالا ارشادات کے صریح مخالف ہے۔ کیونکہ اس شعر سے شعوروں میں ان کشتگان الٰہی کا ذکر ہے جو ہر زمانہ میں خدا تعالیٰ کی راہ میں تکالیف اور مصائب برداشت کر کے اور اپنی جان قربان کرتے رہے۔ جیسا امام حسین علیہ السلام نے خدا تعالیٰ کی راہ میں اپنی جان

قربان کی۔ حضور فرماتے ہیں ؎

کشتہ او یک نہ دو نہ ہزار
ایں قتیلان او بروں ز شمار
ہر زمانے قتیل تازہ بخواست
غازۂ روئے او دم شہداست
ایں سعادت چو بود قسمت ما
رفتہ رفتہ رسید نوبت ما
کربلائے ست سیر ہر آنم
صد حسین است در گریبانم

آخری شعر خود مودودی صاحب نے پیش کیا ہے۔ اس سے پہلے حضور نے فرمایا ہے۔ گویا زمانہ ہمیشہ ہی شہدا کی تلاش میں رہتا ہے۔ اور شہدا کا خون ہی وہ غازہ ہے۔ جو زمانہ کے چہرہ کو زینت دیتا ہے یہ سعادت چونکہ ہماری قسمت میں بھی تھی اور رفتہ رفتہ ہماری نوبت بھی آگئی۔ پھر اپنی مشکلات کا درد انگیز رنگ میں یوں ذکر فرمایا ہے ؎

کربلائے ست سیر ہر آنم
صد حسین است در گریبانم

اس شعر کے پہلے مصرعہ میں بانی سلسلہ احمدیہ نے یہ بتایا ہے کہ ان پر یزیدی الطبع لوگ ہر وقت ناپاک حملے کر رہے ہیں اور ایسی تکالیف دے رہے ہیں کہ گویا آپ کے دشمنوں نے آپ کے لئے ہر وقت کربلا بنا رکھا ہے۔ اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ میرے وجود میں ایک حسین نہیں بلکہ سو حسین نظر آتے ہیں۔ گویا اس شعر میں آپ نے اپنی انتہائی مظلومیت کا حقیقت افروز نقشہ کھینچا ہے۔

فارسی زبان کے مشہور شاعر ملا سر نوعی کا بھی ایک شعر اسی رنگ کا ہے آپ فرماتے ہیں ؎

کربلائے عشقم و لب تشنہ سر تا پائے من
صد حسین کشتہ در ہر گوشۂ صحرائے من

یعنے میں کربلائے عشق ہوں اور سر تا پا لب تشنہ ہوں۔ اور میرے صحرا کے ہر گوشہ میں سو سو حسین مقتول و شہید پڑے ہوئے ہیں۔ (دیوان نوعی صہ۳، قلمی نسخہ خدا بخش لائبریری پٹنہ)

الغرض اس شعر میں امام حسین علیہ السلام کی تحقیر مقصود نہیں ہے۔

دافع البلاء کا حوالہ۔

پھر ایک حوالہ مولانا مودودی صاحب نے دافع البلاء سے پیش کیا ہے کہ بانی سلسلہ احمدیہ نے فرمایا ؎

ابن مریم کے ذکر کو چھوڑ دو
اُس سے بہتر غلام احمد ہے

اس حوالہ سے مولانا مودودی صاحب کے پیش کرنے کی غرض یہ ہے کہ اس میں اپنے آپکو بانی جماعت احمدیہ نے ابن مریم سے بہتر بتا کر ان کی توہین کی جو مسلمانوں کے لئے اشتعال کا باعث ہے۔

جواب۔ اس شعر میں اس طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ کہ تم مسیح اسرائیلی کے انتظار میں آسمان کی طرف آنکھیں لگائے بیٹھے ہو۔ جس کے یہ معنے ہیں کہ تمہیں ایک مامور کی ضرورت تو ہے۔ لیکن امت محمدیہ کو اس نعمت سے محروم خیال کر کے مسیح موسوی کی راہ تک رہے ہو اور یہ نہیں خیال کرتے کہ اس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے خاتم الانبیاء اور آپ کی امت کے خیر الامم ہونے پر دھبہ لگتا ہے۔ پس اس لئے ابن مریم کے ذکر کو کہ وہ آسمان سے آئیں گے۔ اور امت محمدیہ کی اصلاح کرینگے چھوڑ دو۔ کیونکہ اس سے یہ بہتر ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی روحانی اولاد اور آپ کے خادموں میں سے ایک خادم مسیح کا مقام حاصل کر کے امت محمدیہ کی اصلاح کرلے۔ اور اسلام کو دوسرے مذاہب پر غالب کردے چنانچہ اس شعر سے پہلے اشعار یہ ہیں ؎

زندگی بخش جام احمد ہے
کیا ہی پیارا یہ نام احمد ہے

لاکھ ہوں انبیاء مگر بخدا
سب سے بڑھ کر مقام احمد ہے

باغ احمد سے ہم نے پھل کھایا
میرا بستاں کلام احمد ہے

ابن مریم کے ذکر کو چھوڑ دو
اس سے بہتر غلام احمد ہے

حضرت مولانا روم مثنوی میں فرماتے ہیں ؎

عیسیم لیکن ہر آں کو یافت جاں
از دم من او بماند جاوداں
شد ز عیسے زندہ لیکن باز مرد
شاد آنکو جاں بدیں عیسے سپرد

ترجمہ۔ میں وہ عیسے ہوں جس نے مجھ سے زندگی پائی۔ وہ ہمیشہ زندہ رہے گا۔ اور حضرت عیسے علیہ السلام کے ہاتھ پر جو مردے زندہ ہوئے وہ پھر مر گئے۔ مگر خوش ہو وہ شخص جس نے اپنے آپ کو اس عیسے کے سپرد کیا۔

اسی طرح حضرت شمس تبریز اپنے دیوان میں فرماتے ہیں ؎

آنچہ از عیسے و مریم فوت شد
گر مرا باور کنی آں ہم شدم
(دیوان شمس تبریز صہ۲۱۲)

یعنے جو مرتبہ عیسے اور مریم نہیں پا سکے وہ مجھے حاصل ہوگا۔

اسی طرح رئیس المشائخ دیو بند مولوی محمود الحسن صاحب اپنے پیر و استاد مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے مرثیہ میں لکھتے ہیں۔

مردوں کو زندہ کیا زندوں کو مرنے نہ دیا
اس مسیحائی کو دیکھیں ذرا ابن مریم
(مرثیہ مؤلفہ مولانا محمود الحسن صاحب)

اور حضرت شیعہ صاحبان کا تو یہ عقیدہ ہے کہ ان کے بارہ امام باستثنائے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے افضل و برتر ہیں۔ جیسا کہ شیعوں کی معتبر کتاب بحار الانوار جلد ۷ صفحہ ۴۴ میں زیر باب تفضیلهم علی الانبیاء وعلی جمیع الخلق (باب اس بارہ میں کہ بارہ امام سب انبیاء اور ساری مخلوقات سے افضل ہیں) لکھا ہے۔

اعلم ما ذکرہ رحمہ اللہ من فضل نبینا و ائمتنا صلوات اللہ علیهم علی جمیع المخلوقات وکون ائمتنا علیهم السلام افضل من سائر الانبیاء هو الذی لا یرتاب فیه من تتبع اخبارهم۔

یعنے جو کچھ تمام مخلوقات پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور بارہ اماموں کے باقی تمام انبیاء سے افضل ہونے کی نسبت ذکر کیا ہے۔ یہ ایسی پختہ اور یقینی بات ہے۔ کہ اس میں ان کے حالات سے واقف شخص کبھی شبہ نہیں کر سکتا۔

اور شیعہ اثنا عشریہ کے مسلم لیڈر اور مجتہد العصر شمس العلماء سید علی الحائری لکھتے ہیں

حضرت علی مطابق حدیث متفقہ من اراد ان ینظر الیٰ آدم فی علمه والیٰ ابراهیم فی خلته الخ تمام انبیاء سے سوائے خاتم ؐ کے افضل ہیں۔" (فتاوےٰ حائری حصہ چہارم صہ۲۲)

ضمیمہ انجام آتھم کا حوالہ۔

پھر ایک حوالہ مولانا مودودی صاحب نے جو ان کے نزدیک مسلمانوں کے لئے اشتعال کا موجب ہے ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۷ سے پیش کیا ہے۔

"یسوع کے ہاتھ میں سوائے مکر و فریب کے اور کچھ نہیں تھا" الخ

اس حوالہ کے پیش کرنے سے مولانا مودودی صاحب کی مراد یہ ہے۔ کہ اس میں نعوذ باللہ حضرت عیسے علیہ السلام کی توہین کی گئی ہے۔

مولانا مودودی صاحب نے اگر خود ضمیمہ انجام آتھم کا مطالعہ کیا ہوتا۔ تو وہ کبھی اس حوالہ کو بطور اعتراض پیش نہ کرتے۔ کیونکہ اس ضمیمہ انجام آتھم کے حاشیہ صہ۹-۸ میں حضور نے لکھ دیا ہے۔

"بالآخر ہم لکھتے ہیں کہ ہمیں پادریوں کے یسوع اور اس کے چال چلن سے کچھ غرض نہ تھی۔ انہوں نے ناحق ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دے کر ہمیں آمادہ کیا کہ ان کے یسوع کا تھوڑا سا حال ان پر ظاہر کریں۔"

اور فرمایا:۔

"اور مسلمانوں کو واضح رہے کہ خدا تعالےٰ نے یسوع کی قرآن شریف میں کچھ خبر نہیں دی کہ وہ کون تھا اور پادری اس بات کے قائل ہیں۔ کہ یسوع وہ شخص تھا جس نے خدائی کا دعوےٰ کیا۔ اور حضرت موسےٰ کا نام ڈاکو اور بٹمار رکھا۔ اور آنے والے مقدس نبی کے وجود سے انکار کیا۔ اور کہا کہ میرے بعد سب جھوٹے نبی آئیں گے۔"

اسی طرح آپ نے اس کتاب انجام آتھم کے صفحہ ۱۳ پر یہ وضاحت کردی ہے:۔

"یاد رہے کہ ہماری رائے اس یسوع کی نسبت ہے جس نے خدائی کا دعوے کیا۔ اور نبیوں کو چور اور بٹمار کہا اور خاتم الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت بجز اس کے کچھ نہیں کہا کہ میرے بعد جھوٹے نبی آئینگے۔ ایسے یسوع کا قرآن میں کہیں ذکر نہیں۔"

پھر حضور اپنی کتاب تریاق القلوب کے صفحہ ۷۷ میں فرماتے ہیں:۔

"حضرت مسیح کے حق میں کوئی بے ادبی کا کلمہ میرے مونہہ سے نہیں نکلا۔ یہ سب مخالفوں کا افترا ہے۔ ہاں چونکہ درحقیقت ایسا کوئی یسوع مسیح نہیں گذرا۔ جس نے خدائی کا دعوے کیا۔ اور آنے والے نبی خاتم الانبیاء کو جھوٹا قرار دیا ہو۔ اس لئے اس میں میں نے فرض محال کے طور پر اس کی نسبت ضرور بیان کیا۔ کیا ایسے مسیح جس کے یہ کلمات ہوں راستباز نہیں ٹھہر سکتا۔ لیکن ہمارا مسیح ابن مریم جو اپنے تئیں بندہ اور رسول کہلاتا ہے۔ اور خاتم الانبیاء کا مصدق ہے۔ اس پر ہم ایمان لاتے ہیں۔"

اسی طرح آپ نے اپنی تالیف کتاب البریہ میں اس امر کی تصریح کی ہے کہ حضرت عیسے علیہ السلام کے حق میں آپکو کوئی سخت لفظ استعمال نہیں کیا۔

آپ فرماتے ہیں:۔

"ہم لوگ جس حالت میں حضرت عیسے علیہ السلام کو خدا تعالے کا سچا نبی اور نیک اور راستباز مانتے ہیں۔ تو پھر کیونکر ہماری قلم سے ان کی شان میں سخت الفاظ نکل سکتے ہیں۔"

(کتاب البریہ صفحہ ۳۹)

ضمیمہ انجام آتھم کی عبارت کے جو الفاظ مولانا مودودی صاحب نے پیش کئے ہیں۔ بعینہ وہ الفاظ اور اس سے بھی زیادہ سخت الفاظ کتاب استفسار میں مولوی آل حسن نے اور ازالۃ الاوہام میں مولوی رحمت اللہ صاحب مہاجر مکی نے حضرت مسیح کے حق میں استعمال کئے ہیں۔ اور یہ دونوں عالم فن مناظرہ میں فائق درجہ کی شہرت رکھتے تھے۔ اور علمائے اہل سنت کے مقتدا مانے جاتے تھے۔

پس متکلمین کا یہ طریق ہے کہ مد مقابل کے عقائد کو مدنظر رکھ کر الزامی جواب دیا کرتے ہیں

اور یہی طریق عیسائیوں کے مقابلہ میں حضرت بانیٔ جماعت احمدیہ نے اختیار کیا چنانچہ فرماتے ہیں:۔

"اس بات کو ناظرین یاد رکھیں۔ کہ عیسائی مذہب کے ذکر میں ہمیں اسی طرز سے کلام کرنا ضروری تھا۔ جیسا کہ وہ ہمارے مقابل کرتے ہیں۔ عیسائی لوگ درحقیقت ہمارے عیسیٰ کو نہیں مانتے۔ جو اپنے تئیں صرف بندہ اور نبی کہتے تھے اور پہلے نبیوں کو راستباز جانتے تھے۔ اور آنے والے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر سچے دل سے ایمان رکھتے تھے۔ اور آنحضرت صلعم کے بارہ میں پیشگوئی کی تھی۔ بلکہ ایک یسوع نام کو مانتے ہیں۔ جس کا ذکر قرآن میں نہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ اس شخص نے خدائی کا دعویٰ کیا تھا۔ ...... پڑھنے والوں کو چاہیئے۔ کہ ہمارے بعض سخت الفاظ کا مصداق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہ سمجھ لیں۔ بلکہ وہ کلمات یسوع کی نسبت لکھے گئے ہیں جس کا قرآن و حدیث میں نام ونشان نہیں۔"

(آریہ دھرم ٹائیٹل پیج آخر)

اسی طرح آپ فرماتے ہیں:۔

"ہم اس بات کے لئے بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور ہیں۔ کہ حضرت عیسیٰ ؑ کو خدا تعالیٰ کا سچا اور راستباز مانیں اور ان کی نبوت پر ایمان لاویں۔ سو ہماری کسی کتاب میں کوئی ایسا لفظ بھی موجود نہیں۔ جو ان کی شانِ بزرگ کے خلاف ہو۔ اور اگر کوئی ایسا خیال کرے۔ تو وہ دھوکا کھانے والا اور جھوٹا ہے۔"

(ایام الصلح ٹائیٹل پیج صہ)

ان تصریحات کی موجودگی میں مولانا مودودی صاحب کا ضمیمہ انجام آتھم کی عبارت کے متعلق یہ دعویٰ کہ مؤلف نے عیسیٰ علیہ السلام خدا تعالیٰ کے مقدس نبی کی توہین کی ہے۔ بالکل غلط اور بے بنیاد ہے۔

جواب پیرا ۷۔ اس پیرا میں مولانا مودودی صاحب نے لکھا ہے۔ کہ احمدیوں کو مسلمانوں سے علیحدہ اقلیت قرار دینے کی خواہش عوام اور نچلے متوسط طبقہ میں تیس سال سے پائی جاتی تھی۔ اور اس خواہش کی ترجمانی اب سے قریبًا بیس برس پہلے علامہ اقبال مرحوم نے Islam and Ahmadism میں فرمائی۔

مودودی صاحب کی یہ بات بھی درست نہیں۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ عام مسلمانوں میں علامہ اقبال مرحوم کے رسالہ سے نہ پہلے اور نہ اس کے بعد ایسی خواہش پائی جاتی تھی۔ بلکہ پچیس سال پہلے مسلمانوں میں عام طور پر تمام فرقوں کے متحد رہنے کا رجحان پایا جاتا تھا۔ اور یہ بات مخالفین اسلام پر بھی مخفی نہ تھی۔ چنانچہ آریہ اخبار تیج دہلی نے ۲۵ر جولائی ۱۹۲۷ء کے پرچہ میں لکھا ہے۔

آج تک احمدی جو کچھ کرتے رہے ہیں۔ وہ ان کی ذاتی کوششیں ہی تھیں۔ ...... لیکن اب یہ حالت نہیں ہے۔ آج کل سوائے پرانے خیال کے مولویوں کے باقی تمام مسلمان ان کے مددگار اور ان کے کام کے مداح ہیں۔ یہ تبدیلی ایسی ہے۔ جس میں ہمارے لئے بہت سے خطرے پوشیدہ ہیں۔ جن سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کا بندوبست نہ کرنا خودکشی کے مترادف ہوگا۔

غالبًا ہندوؤں کے اس احساس کے نتیجہ میں مولانا مودودی صاحب اور احرار کے مشن کی پیدائش تھی۔

پھر مولانا محمد علی جوہر نے اپنے اخبار ہمدرد مورخہ ۲۶ر ستمبر ۱۹۲۷ء میں لکھا:۔

"ناشکرگذاری ہوگی کہ جناب مرزا بشیر الدین محمود احمد اور ان کی جماعت کا ذکر ان سطور میں نہ کریں۔ جنہوں نے اپنی تمام تر توجہات بلا اختلافِ عقیدہ تمام مسلمانوں کی بہبودی کے لئے وقف کردی ہیں۔ یہ حضرات اس وقت اگر ایک جانب مسلمانوں کی سیاست میں دلچسپی لے رہے ہیں۔ تو دوسری طرف مسلمانوں کی تنظیم۔ تبلیغ و تجارت میں بھی انتہائی جدوجہد سے منہمک ہیں۔ اور وہ وقت دور نہیں۔ جبکہ اسلام کے اس منظم فرقہ کا طرز عمل سوادِ اعظم اسلام کے لئے بالعموم اور ان اشخاص کے لئے بالخصوص جو بسم اللہ کے گنبدوں میں بیٹھ کر خدمت اسلام کے بلند بانگ دعاوی کے خوگر ہیں مشعل راہ ہوگا۔"

اور پھر اخبار مشرق مورخہ ۲۲ر ستمبر ۱۹۲۷ء گورکھپور نے لکھا:۔

"جناب امام جماعت احمدیہ کے احسانات تمام مسلمانوں پر ہیں۔ آپ ہی کی تحریک سے ورتمان پر مقدمہ چلایا گیا، آپ ہی کی جماعت نے رنگیلا رسول کے معاملہ کو آگے بڑھایا۔ سرفروشی اور جیل خانے سے خوف نہیں کھایا۔ آپ ہی کے پمفلٹ نے جناب گورنر صاحب بہادر پنجاب کو عدل و انصاف کی طرف مائل کیا۔ آپ کا پمفلٹ ضبط کرلیا گیا۔ مگر اس کے اثرات کو زائل نہیں ہونے دیا۔ اور لکھ دیا کہ اس پوسٹر کی ضبطی محض اس لئے ہے۔ کہ اشتعال نہ بڑھے۔ اور اس کا تدارک نہایت عادلانہ فیصلے سے کردیا اور اس وقت ہندوستان میں جتنے فرقے مسلمانوں کے ہیں۔ سب کسی نہ کسی وجہ سے انگریزوں یا ہندوؤں یا دوسری قوموں سے مرعوب ہو رہے ہیں۔ صرف ایک احمدی جماعت ہے۔ جو قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی طرح کسی فرد یا جمعیت سے مرعوب نہیں ہے۔ اور خالص اسلامی کام سرانجام دے رہی ہے۔"

اور آج سے تقریبًا تیس برس پہلے خود ڈاکٹر اقبال مرحوم نے علی گڑھ کالج میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا:۔

"پنجاب میں اسلامی سیرت کا ٹھیٹھ نمونہ اس جماعت کی شکل میں ظاہر ہوا ہے۔ جسے فرقہ قادیانی کہتے ہیں۔" (ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر)

پھر ڈاکٹر صاحب مرحوم نے اپنی کتاب اسلام اور احمدازم کے لکھنے سے دو تین سال پہلے خود ہی امام جماعت احمدیہ کو کشمیر کمیٹی کا پریذیڈنٹ تجویز کیا تھا۔ اور ان کے ممبر بنے اور ڈاکٹر صاحب کے علاوہ ہندوستان اور پنجاب کے تقریبًا تمام بڑے بڑے لیڈر کشمیر کمیٹی کے ممبر تھے۔ اگر ڈاکٹر صاحب نے اپنی کتاب میں جو نظریہ پیش کیا، وہ اختلاف عقائد کی بناء پر تھا۔ تو پہلے کیوں نہ ہوے۔ اور کیوں امام جماعت احمدیہ کو مسلمانانِ کشمیر کی امداد کے لئے کشمیر کمیٹی کا صدر تجویز کیا؟

کیا وجہ ہے۔ کہ ڈاکٹر صاحب مرحوم نے یہ کتاب کشمیر کمیٹی میں اختلاف پیدا ہو جانے کے بعد لکھی۔ اس سے یقینی طور پر معلوم ہوتا ہے۔ کہ اصل وجہ اختلاف عقائد نہ تھی۔ بلکہ اور خاص وجوہات تھیں۔ جن کے بیان کی یہاں ضرورت نہیں۔

جواب پیرا ۸

اس پیرا میں جو نظریہ مودودی صاحب نے پیش کیا ہے۔ وہ بھی خود ساختہ ہے۔ کیونکہ انگریزی حکومت کا ہمیشہ یہ رویہ رہا ہے کہ وہ اپنے مفاد کی خاطر اکثریت کی ناراضگی مول نہیں لیا کرتی تھی۔ اصل واقعہ یہ ہے۔ کہ مسلمانوں کے دل میں پہلے یہ کبھی خیال ہی پیدا نہ ہوا تھا۔ کہ احمدیوں کو مسلمانوں سے علیحدہ اقلیت قرار دیا جائے۔ بلکہ وہ ایک مسلمان فرقہ ہی سمجھا جاتا تھا۔ اور ۱۹۳۵ء کے بعد احراریوں نے جو مطالبہ کیا بھی تو صرف چند احراریوں کی طرف سے تھا۔ اور احرار کی حقیقت مسلمانوں پر اس کے تھوڑا عرصہ بعد مسجد شہید گنج کے واقعہ سے ظاہر ہوگئی تھی۔ اور پھر یہ مطالبہ سننے میں نہ آیا۔ البتہ ۱۹۴۴ء میں مولانا عبد الحامد بدایونی نے بعض احراریوں کے ایما سے آل انڈیا مسلم لیگ کونسل میں یہ سوال اٹھانا چاہا۔ کہ احمدیوں کو مسلم لیگ کی ممبری سے محروم کردیا جائے۔ تو:۔

"قائد اعظم نے جواب دیا۔ کہ جو شخص اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے۔ اور مسلم لیگ کے مسلک اور نصب العین کو تسلیم کرتا ہے۔ اس کو میں آئین و قانون کے ماتحت لیگ کی ممبری سے محروم نہیں کرسکتا۔"

(شورش احرار شائع کردہ انجمن حمایت پاکستان صلہ)

اور پاکستان بننے کے بعد بھی احمدی اور غیر احمدی مسلمانوں میں یکجہتی اور اتحاد تھا۔ اور ایک دوسرے پر سب اعتماد کرتے تھے۔ اور قائد اعظم مرحوم کی زندگی میں کسی ایسے شخص کو سر اٹھانے کی جرأت نہ ہوئی۔ کہ وہ مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کی کوشش کرے۔ جب قائد اعظم مرحوم وفات پاگئے۔ تو اس کے بعد احرار نے پھر سر اٹھایا۔ اور سیاسی اقتدار حاصل کرنے کی غرض سے نہ کہ بلکہ جماعت احمدیہ کے خلاف لوگوں کو بھڑکانے اور جوش دلانے کی کوشش کی۔ جس کا نتیجہ آخرکار فسادات اور مارشل لاء کی صورت میں رونما ہوا۔ مولانا مودودی صاحب چونکہ خود قیام پاکستان کی مخالفت میں احراریوں کے ہم آہنگ تھے۔ اس لئے مودودی صاحب انہیں کی تال میں تال ملانے لگے۔

پیرا ۹۔ اس پیرا میں احمدیہ جماعت پر جو الزام لگایا گیا ہے۔ وہ بھی بے بنیاد بے حقیقت ہے۔ کہ احمدیہ جماعت نے ہر رنگ میں پاکستان کے استحکام اور مسلمانوں کی بہبودی کے لئے ہر ممکن کوشش کی ہے۔ اور فساد کی بنیاد رکھنے والے درحقیقت احراری ہیں۔ جن کے ساتھ بعد میں مودودی صاحب بھی شامل ہو گئے تھے۔

جن پانچ باتوں کی طرف مودودی صاحب نے عدالت کو توجہ دلائی ہے۔ وہ مع جواب درج ذیل ہے:۔

اول:۔ امام جماعت احمدیہ کے جس خطبہ کا حوالہ مودودی صاحب نے دیا ہے۔ اس کے مندرجہ ذیل فقرات مودودی صاحب کے الزام کی تردید کرتے ہیں۔

"خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس زمانہ میں لوگوں کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا ہے۔ اور آپ سے وعدہ کیا ہے۔ کہ وہ آپ کی تبلیغ کو دنیا کے کناروں تک پہنچا دیگا۔"

(دیکھو الفضل ۱۳ر اگست ۱۹۴۸ء صفحہ ۳ کالم ۳)

اس سے ثابت ہے کہ امام جماعت احمدیہ نے اس خطبہ میں جماعت احمدیہ کو تبلیغ کی اہمیت بتاتے ہوئے بلوچستان میں تبلیغ کی طرف خاص توجہ دلائی ہے۔ اور خطبہ میں جو بیس (Base) کا ذکر آیا ہے۔ اس سے مذہبی بیس (Base) مراد ہے۔

چنانچہ اس خطبہ میں تبلیغ کی وسعت کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ نے فرمایا ہے:۔

"تبلیغ اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتی جب تک ہماری بیس Base محفوظ نہ ہو۔ بیس محفوظ ہو۔ تو پھر تبلیغ پھیلتی ہے۔ پہلے اپنی بیس بنالو۔ کسی ملک میں ہی بنالو۔"

چنانچہ یہی بیس کا لفظ آپ تقسیم ہند سے قبل بھی استعمال کرتے رہے۔ آپ نے ایک تقریر میں فرمایا:۔

"ہم نے ہندوستان کو تبلیغ اسلام کے لئے بیس بنانا ہے۔ خدا کرے ہندوستان کے مسلمانوں میں بیداری پیدا ہو جائے۔ اور وہ احمدی ہو جائیں۔ تو ہم تھوڑے سے عرصہ میں ہندوستان کو اپنا بیس بنانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ کیونکہ اس وقت تو ہماری تھوڑی سی جماعت کے لئے اتنی بڑی آبادی کو تبلیغ کرنا ایک وقت چاہتا ہے۔ لیکن ہندوستان کے دس کروڑ مسلمان احمدی ہو جائیں۔ تو اس کے یہ معنی ہوں گے۔ کہ ایک احمدی کے حصہ میں تین ہندو تبلیغ کے لئے آئیں گے۔"

(الفضل ۱۲ر اپریل ۱۹۴۷ء صہ۳ کالم ۳)

پس اس خطبہ میں نہ کوئی وجہ تشویش ہے۔ نہ ہی کوئی قابل اعتراض بات۔ اس ضمن میں دوسرا حوالہ مولانا مودودی صاحب نے الفضل ۵۳ء کا دیا ہے۔ اس میں بھی جماعت کو یہ بتایا گیا ہے۔ کہ وہ تبلیغ میں کماحقہٗ جدوجہد نہیں کرتی۔ حالانکہ وہ صحیح طور پر تبلیغ کرے۔ تو بہت سے لوگ احمدیت میں داخل ہو سکتے ہیں۔ اور مخالف ان کے خلاف غلط رپورٹیں کر رہے ہیں۔ مثال کے طور پر آپ نے فرمایا۔ کہ جب میں نے اس جگہ تقریر کی۔ کہ اگر تم تبلیغ کرو۔ تو بلوچستان جیسے چھوٹے سے صوبے میں احمدی بنا لینا کوئی مشکل امر نہیں۔ تو اس کے متعلق یوں رپورٹیں کی گئیں۔ گویا میں نے کہا تھا۔ "کہ گورنمنٹ کے محکموں میں جو بڑے بڑے احمدی افسر ہیں۔ وہ اپنے ماتحتوں کو مجبور کرکے احمدی بنائیں۔ حالانکہ یہ بالکل جھوٹ اور خلاف واقعہ تھا۔"

آپ نے فرمایا:۔

"اپنے رسوخ سے کام لے کر تبلیغ کرنا یا جبر کرنا ہمارے مذہب میں جائز نہیں"

پھر آپ نے اس خطبہ میں جماعت کو تبلیغ کرنے اور اس کے ساتھ خدا تعالیٰ سے دعا کرنے کی طرف توجہ دلائی ہے

البتہ جماعت اسلامی کا ایک مقصد سیاسی اقتدار حاصل کرنا ہے۔ چنانچہ جماعت اسلامی کے ایک سرگرم کارکن فرماتے ہیں:۔

"انقلاب قیادت کی داعی ہونے کی حیثیت سے جماعت کی دینی ذمہ داری بھی ہے کہ فاسد قیادت کو صالح قیادت سے بدلے۔ وہ اپنے لئے کسی طرح اس بات کو جائز نہیں سمجھتی۔ کہ زندگی کے سارے معاملات فاسقین کے ہاتھوں میں رہیں۔ اور وہ صالحین کو جمع کرکے ایک گوشۂ خمول میں پڑی رہے"

(ترجمان القرآن جلد ۳ ۲/۱۵ از نعیم صدیقی)

پھر خود مولانا مودودی صاحب حزب اللہ یا اسلامی جماعت کا یہ مقصد تحریر فرماتے ہیں۔

"یہ مذہبی تبلیغ کرنے والے واعظین (پریچرز) مبشرین (مشنریز) کی جماعت نہیں ہے۔ بلکہ خدائی فوجداروں کی جماعت ہے۔ (لتکونوا شھداء علی الناس) اور اس کا کام یہ ہے کہ دنیا سے ظلم فتنہ۔ فساد۔ بداخلاقی۔ طغیان۔ اور ناجائز انتظام کو بزور مٹا دے ۔۔۔۔ لہٰذا اس پارٹی کے لئے حکومت کے اقتدار پر قبضہ کئے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے" (تفہیمات مولفہ مولانا مودودی صاحب صفحہ ۱۵ طبع چہارم)

مذکورہ بالا نصب العین حاصل کرنے کے لئے ارکان جماعت اسلامی کے لئے انہوں نے مندرجہ ذیل پروگرام بنا رکھا ہے۔ لکھتے ہیں

"دائماً ایک مبلغ کی زندگی بسر کرنی ہوگی اس کے لئے لازم ہوگا۔ کہ جہاں جس حلقہ میں بھی اس کی پہونچ ہوسکتی ہو جماعت کے عقیدہ کو پھیلائے۔ اس کے نصب العین کی طرف دعوت دے۔ اور جماعت کے نظام کی تشریح کرے" (روئداد جماعت اسلامی حصہ اول صفحہ ۲۳-۲۴)

پھر مودودی صاحب نے اس نظام کی تبلیغ کے لئے سارے ملک کے آٹھ حلقے مقرر کئے ہیں۔ جن میں ہر قسم کے سیاسی غیر سیاسی۔ شہری۔ دیہاتی عورتیں۔ مرد علماء اور غیر علماء سب آجاتے ہیں۔ اور جو ارکان جماعت کے مسالک کی بہترین ترجمانی کرسکتے ہیں۔ انہیں یہ ہدایت دی ہے

"کہ دعوت عام کے علاوہ خصوصیت کے ساتھ ملک کے بڑے بڑے اداروں کالجوں یونیورسٹیوں۔ دینی مدرسوں اور انجمنوں میں نفوذ کی کوشش کریں"

(روئداد جماعت اسلامی حصہ اول صفحہ ۳۰)

دوم۔ مولانا مودودی صاحب نے خطبہ مندرجہ الفضل ۱۱ر جنوری ۱۹۵۲ء سے ایک خاص سکیم کے ماتحت سرکاری عہدوں پر قبضہ کرنے کا جو نتیجہ نکالا ہے درست نہیں ہے۔

اس خطبہ میں جماعت کی اقتصادی بہبودی اور جماعت میں مختلف علوم اور فنون کے ماہرین پیدا کرنے اور مختلف محکموں میں اپنے حقوق محفوظ کرنے اور مخالفین کے شر سے بچنے کے لئے جماعت کو توجہ دلائی گئی ہے

چنانچہ خطبہ میں مختلف محکموں میں جانے کی غرض یہ بیان کی گئی ہے کہ "اس طرح جماعت اپنے حقوق محفوظ رکھ سکتی ہے"

اور اس خطبہ میں نوجوانوں کو بھیڑ چال کی طرح ایک ہی محکمہ میں چلے جانے سے منع کیا ہے۔

سوم۔ مولانا مودودی صاحب نے الفضل ۱۶ جولائی ۱۹۴۸ء کے خطبہ کی جو عبارت پیش کی ہے۔ اور لکھا ہے کہ اس میں "لوگ" سے مراد قادیانی اور "دشمن" سے مراد "مسلمان" ہیں یہ بالکل غلط اور خلاف واقعہ ہے۔

خطبہ کے پڑھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ "لوگ" سے مراد اس عبارت میں مسلمان اور "دشمن" سے مراد غیر مسلم ہندو۔ عیسائی وغیرہ ہیں جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرتے ہیں۔ چنانچہ اس کے چند سطر پہلے یہ الفاظ اس خطبہ میں موجود ہیں۔

"اسلام غالب آجانے والا مذہب ہے۔ اسلام دوسرے مذاہب کو کھا جانے والا مذہب ہے۔ اسے دیکھ کر مخالفین کے کان فوراً کھڑے ہوجاتے ہیں۔ اور وہ مقابلہ کے لئے تیار ہوجاتے ہیں"

(الفضل ۲۴ جولائی ۱۹۴۶ء صفحہ ۸ کالم ۳)

اس میں احمدی جماعت کو تلقین کی گئی ہے کہ وہ اپنے اندر ایسی تبدیلی پیدا کریں کہ وہ تبلیغ کے ذریعہ اسلام کو دنیا پر غالب کردیں۔

اور اس ضمن میں مولانا مودودی صاحب نے جن دو خطبوں (مندرجہ الفضل ۵ جولائی ۱۹۵۰ء و ۷ مئی ۱۹۵۰ء) کا ذکر کیا ہے اور انہیں جنگجویانہ خطبے قرار دیا ہے۔ ان میں بھی صرف تبلیغ کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

چہارم۔ مولانا مودودی صاحب نے جو فرقان بٹالین کے متعلق ذکر کیا ہے تو وہ غالباً اس لئے کہ مودودی صاحب نے پاکستان بننے کے بعد تو جنگ کشمیر میں حصہ لینے کو از روئے شریعت حرام قرار دیا تھا۔ اور احمدی جماعت نے پاکستان کے استحکام کے لئے لڑائی میں کشمیریوں کی امداد کرنے کے لئے ایک خاص بٹالین دی تھی۔ اس لئے یہ ضروری تھا۔ کہ یہ احمدیہ بٹالین مولانا مودودی صاحب کی نظر میں خارش کررہے۔ بٹالین کی ٹریننگ پاکستانی فوج کے افسروں نے کی۔ اور کشمیر کی لڑائی کے ختم ہونے پر کمانڈر انچیف پاکستان آرمی نے انہیں سبکدوش کرتے ہوئے ان الفاظ میں بٹالین کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ان کے کام کی تعریف کی۔ آپ نے فرقان فورس کے ممبروں کو خطاب کرتے ہوئے انگریزی زبان میں فرمایا جس کا ترجمہ حسب ذیل ہے۔

"جون ۱۹۴۸ء میں جب آپ نے جہاد کشمیر میں شمولیت کے لئے ایک رضاکار دستے کی پیشکش کی تو اس کو خوشی سے قبول کیا گیا۔ ۱۹۴۸ء کے موسم گرما میں تھوڑے عرصہ کی ٹریننگ کے بعد آپ اس قابل ہوگئے کہ محاذ جنگ میں اپنی جگہ سنبھال لیں۔ چنانچہ ستمبر ۱۹۴۸ء میں آپ کو MELF کمان کے ماتحت کردیا گیا۔

آپ کی بٹالین خاص رضاکار بٹالین تھی جس میں زندگی کے ہر شعبہ سے تعلق رکھنے والے لوگ شامل تھے۔ ان میں کسان بھی تھے اور مزدور پیشہ بھی۔ کاروباری لوگ بھی شامل تھے اور نوجوان طلبا اور اساتذہ بھی۔ وہ سب کے سب خدمت پاکستان کے جذبہ سے سرشار تھے۔ اس قربانی کے بدلہ میں جس کے لئے آپ میں سے ہر ایک نے اپنے آپ کو خوشی پیش کیا کسی قسم کے معاوضہ اور شہرت وغیرہ کی توقع نہ کی تھی۔ آپ جس جوش اور ولولے کے ساتھ آئے۔ اور اپنے فرض منصبی کی بجا آوری کے لئے تربیت حاصل کرنے میں جس ہمہ گیر اشتیاق کا اظہار کیا۔ اس سے ہم بہت متاثر ہوئے۔ ان تمام مشکل مراحل پر جو نئی پلٹن کو پیش آتے ہیں۔ آپ نے اور آپ کے افسروں نے بہت جلد عبور حاصل کرلیا۔

کشمیر میں محاذ کا ایک اہم حصہ آپ کے سپرد کیا گیا۔ اور آپ نے تمام توقعات کو پورا کردکھایا۔ جو اس ضمن میں آپ سے کی گئی تھیں دشمن نے ہوا سے اور زمین سے شدید حملے کئے لیکن آپ نے ثابت قدمی اور اولوالعزمی سے ان کا مقابلہ کیا۔ اور ایک انچ زمین اپنے سے نہ جانے دی۔

آپ کے انفرادی اور مجموعی اخلاق کا معیار بہت بلند تھا۔ اور تنظیم کا جذبہ بھی بہت قابل تعریف

اب جبکہ آپ کا مشن مکمل ہوچکا ہے اور آپ کی بٹالین تخفیف میں لائی جارہی ہے۔ میں اس قابل قدر خدمت کی بناء پر جو آپ نے اپنے وطن کی انجام دی ہے۔ آپ میں سے ہر ایک کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

پنجم۔ مولانا مودودی صاحب نے اپنے اس بیان کی تائید میں کہ ۱۹۵۲ء کے آغاز سے مرزا بشیر الدین صاحب اور ان کی جماعت نے دوسرے لوگوں کو کھلم کھلا دھمکیاں دینی شروع کردیں۔ جس کا نتیجہ روز بروز اشتعال انگیز ہوتا چلا گیا۔ مندرجہ ذیل حوالجات پیش کئے ہیں

(۱) بحوالہ اخبار الفضل مورخہ ۳ جنوری ۱۹۵۲ء لکھتے ہیں۔

"ہم فتح یاب ہوں گے۔ ضرور تم مجرموں کی طرح ہمارے سامنے پیش ہوگے۔ اس وقت تمہارا حشر وہی ہوگا۔ جو فتح مکہ کے دن ابوجہل اور اس کی پارٹی کا ہوا۔

امام جماعت احمدیہ نے اپنی تقریر مندرجہ اخبار الفضل مورخہ ۳ جنوری ۱۹۵۲ء میں در حقیقت آفاق اور اس کے چند ساتھیوں کو مخاطب کیا ہے۔ اور آفاق کو یہ جواب دیا ہے کہ جس نے ان دنوں آفاق ۵ دسمبر ۱۹۵۱ء میں حکومت کو ان کے خلاف کارروائی کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ اور لکھا تھا کہ ان کا یہ حق نہیں ہونا چاہیئے۔ کہ ۹۹ فیصدی اکثریت کے معاملات میں دخل دیں۔ آپ نے فرمایا۔

میں ایسے اخبار نویسوں کو کہتا ہوں۔ کہ تمہاری یہ دھمکیاں اس لئے ہیں نا کہ تم زیادہ ہو اور ہم تھوڑے ہیں؟ ورنہ کیا وجہ ہے کہ تم اس قسم کی باتیں انگریزوں اور ہندوؤں کے متعلق نہیں کہتے یہ محض اکثریت میں ہونے کا نتیجہ ہے۔ کہ تم ایسی باتیں کررہے ہو۔ لیکن غور کرو۔ کیا ابوجہل کی بھی یہی دلیل نہیں تھی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی حق نہیں۔ کہ وہ ہمارے ملک کی ننانوے فی صدی آبادی کے خیالات کے خلاف کوئی بات کہے۔ آخر آج جو دلیل تم دیتے ہو کیا وہی دلائل ابوجہل نہیں دیا کرتا تھا۔ تمہارے کہنے پر حکومت بے شک مجھے پکڑ سکتی ہے۔ قید کرسکتی ہے مار سکتی ہے۔ لیکن میرے عقیدہ کو وہ دبا نہیں سکتی۔ اس لئے کہ میرا عقیدہ جیتنے والا عقیدہ ہے وہ یقیناً ایک دن جیتے گا تب۔ یہ تکبر کرنے والے لوگ پشیمان۔ ہونے کی حالت میں آئیں گے۔ اور انہیں کہا جائے گا۔ بتاؤ کیا تمہارا فتویٰ تم پر عائد کیا جائے۔ جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کیا۔ اور ریاست اور اثر کا گھمنڈ کرنے والے لوگ آپ کے سامنے پیش ہوئے تو آپ نے انہیں فرمایا۔ کہ بتاؤ تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ آپ کا مقصد یہ کہنے سے یہی تھا کہ وہ اپنی اکثریت کے زعم میں جو کچھ کہا کرتے تھے وہ انہیں یاد دلایا جائے۔ کہ کفارنے کہا ہے۔ بیشک ہم نے بہت سے ظلم کئے ہیں۔ مگر آپ یوسف والے سلوک ہی کی امید رکھتے ہیں۔ میں بھی کہتا ہوں کہ اس دن جب تمہاری اکثریت ہونے کا غرور ٹوٹے گا۔ خواہ اس وقت میں ہوں یا میرا قائم مقام تم سے بھی بہرحال یوسف والا سلوک ہی کیا جائیگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ

اس عبارت میں اصل خطاب چند اخبار نویسوں سے کیا گیا ہے۔ دوسرے فتح کے وقت اس میں ابوجہل اور اس کی پارٹی کا کوئی ذکر نہیں۔ اور حقیقت یہ ہے۔ کہ ابوجہل تو جنگ بدر کے دن ہی قتل ہوچکا تھا۔ فتح مکہ کے دن وہ کہاں موجود تھا لیکن مولانا مودودی صاحب اخبار الفضل ۳ جنوری ۱۹۵۲ء کا حوالہ دے کر غلط طور پر امام جماعت احمدیہ کی طرف یہ الفاظ منسوب کررہے ہیں۔

پھر مولانا مودودی صاحب کا یہ لکھنا:۔

"کہ قادیانیوں کے پاس اسلحہ سازی کے متعدد کارخانے ہونا اور قادیانیوں کو اسلحہ کے بکثرت لائسنس حاصل ہونا اور ان چیزوں کو قادیانیوں کا خود ہی عوام کے سامنے بیان کرکرکے اپنا رعب بٹھانے کی کوشش کرنا مسلمانوں کے لئے اضطراب پیدا کرتا رہا"

ایک خلاف واقعہ افسانہ ہے۔ اور عدالت سے ہم باادب درخواست کرتے ہیں۔ کہ مولانا مودودی

صاحب سے اس کا ثبوت طلب کیا جائے۔

(۲) دوسرا حوالہ جو مولانا مودودی صاحب نے الفضل ۱۶ر جنوری ۱۹۵۰ء سے پیش کیا ہے۔ وہ احمدی نوجوانوں کی مجلس کے مہتمم تبلیغ کے ایک نوٹ سے ماخوذ ہے۔ جس میں نوجوانوں کو تبلیغ کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ اور لکھا ہے۔ کہ اپنی تبلیغی فریضہ کو ایسے رنگ میں ادا کرنا چاہیئے۔ کہ کثرت سے لوگ احمدیت میں داخل ہو جائیں۔ اور مخالف محسوس کرنے لگیں۔ کہ احمدیت مٹائی نہیں جا سکتی۔ اور ظاہر ہے۔ کہ اس میں ایسی بات کوئی نہیں۔ جو لوگوں کے لئے اشتعال یا تشویش کا باعث ہو۔ ہر جماعت اپنی جماعت کو بڑھانے کے لئے جائز کوشش کر سکتی ہے۔

(۳) تیسرا حوالہ مولانا مودودی صاحب نے الفضل ۱۵ر جولائی ۱۹۵۲ء کا مندرجہ ذیل پیش کیا ہے۔ جو الفضل میں "خونی ملا کے آخری دن" کے عنوان کے ماتحت شائع ہوا ہے۔

"ہاں اب آخری وقت آ پہنچا ہے۔ ان علماء حق کے خون کا بدلہ لینے کا جن کو شروع سے لیکر آج تک یہ خونی ملا قتل کراتے آئے ہیں۔ ان سب کے خون کا بدلہ لیا جائیگا۔"

اس مضمون میں ایک فقرہ بھی ایسا نہیں ہے جس میں یہ اشارہ پایا جاتا ہے کہ جماعت احمدیہ ان علماء سے از خود انتقام لیگی۔ یا ان کے خلاف کسی قسم کی تشدد کی کاروائی کرے گی۔ کہ اسے مولانا مودودی صاحب یا دوسرے مولویوں کے خلاف احمدیوں کی طرف سے دھمکی سمجھا جائے۔ مضمون نویس نے اس میں از خود یہ تشریح کر دی ہے۔ کہ ملا کی موت سے مراد قائد اعظم کے اصول اتحاد کی فتح ہے۔ چنانچہ اس مضمون میں قائد اعظم کا یہ اصول (کہ تمام لوگ جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور جن کو اغیار مسلمان سمجھ کر ان سے یکساں سلوک کرتے ہیں ایک ہی محاذ پر جمع ہو جائیں) پیش کر کے لکھا ہے۔

"تمام اسلامی دنیا کی آنکھیں کھل گئیں انہوں نے اس اصول کے اعجاز کو دیکھ لیا۔ اس اصول کو اپنانے کے لئے تمام اسلامی دنیا تیار ہو رہی ہے۔ چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب نے جس کو قائد اعظم نے پاکستان کا وزیر خارجہ بنایا تھا۔ تمام دنیا میں یہ اصول پھیلا دیا ہے یہ اسلامی اصول دراصل خونی ملا کی موت ہے..... کیونکہ جب یہ اصول تمام اسلامی دنیا میں پھیل جائے گا اور اچھی طرح جڑ پکڑ جائے گا۔ تو خونی ملا آپ اپنی موت مر جائے گا۔ اسی طرح جس طرح مصر کا سرکاری ملا مفتی الشیخ حسنین مخلوف اپنی موت آپ ہی مر گیا ہے۔ اسی طرح پاکستان کا خونی ملا بھی اپنی موت مرنے کے لئے کھڑا ہو گیا ہے۔ مفتی مصر بھی پاکستان کے ذریعہ ہی مرا ہے۔ اور یہ تمام ملا بھی پاکستان کے ذریعہ ہی مریں گے۔ کیونکہ اتحاد کا اصول پاکستان کا بنیادی اصول ہے۔ اور یہی اصول ملا کی موت کا پیغام ہے۔"

اس تشریح سے ظاہر ہے کہ اس مضمون سے کسی کو قتل کی دھمکی دینا مقصود نہیں

پیرا نمبر ۱۰

اس پیرا میں مولانا مودودی صاحب نے لکھا ہے کہ جب احرار نے احمدیوں کے خلاف ایجی ٹیشن کا آغاز کیا تو اس وقت عوام کے اندر احمدیوں کے خلاف سخت بے چینی موجود تھی۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ احراریوں کے پاکستان میں پہنچ کر احمدیوں کے خلاف تحریک شروع کرنے سے پہلے پاکستان کے مسلمانوں میں احمدیوں کے خلاف کوئی بے چینی موجود نہ تھی۔ برعکس اس کے احراریوں کے خلاف پاکستانیوں میں یہ بے چینی پیدا ہو گئی تھی کہ وہ خیال کرنے لگے تھے۔ کہ ملک کے غدار پاکستان میں آ گئے ہیں۔ چنانچہ صدر مجلس احرار ماسٹر تاج الدین انصاری نے اپنی ملتان کانفرنس کی تقریر میں کہا:-

ذرا تصور تو کیجئے کہ کن امنگوں اور ولولوں سے ہم نے واگہ کے اس پار قدم رکھا ہو گا۔ مگر جونہی ہم نے آزادی کے دروازے میں قدم رکھا۔ چاروں طرف سے انہوں نے بیگانہ وار چلانا شروع کیا۔ غدار غدار۔ جب اس طرح ہمارا استقبال ہوا تو ہم ٹھٹھک کر رہ گئے"۔ (اخبار آزاد کا ملتان کانفرنس نمبر مورخہ ۲۶ر دسمبر ۱۹۵۰ء صفحہ ۷ کالم ۱)

اخبار زمیندار نے ۲۰ر ستمبر ۱۹۴۷ء صفحہ ۶ کالم ۲ میں زیر عنوان۔ "احرار اور کانگرس کی تخریبی سرگرمیاں"۔ لکھا:-

"یہ ایک المناک حقیقت ہے کہ احراری اور کانگرسی دولت خداداد پاکستان کو بدنام کرنے اور مسلمانوں میں انتشار پیدا کرنے کی ناپاک کوشش کر رہے ہیں۔ فرزندان اسلام کو احراریوں اور کانگرسیوں کی تخریبی سرگرمیوں سے خبردار رہنا چاہیئے اور ان کے شر انگیز پراپیگنڈے سے بچنا چاہیئے۔ فرزندان توحید اس وقت انتہائی نازک اور پر آشوب دور سے گذر رہے ہیں۔ اعدائے پاکستان مملکت پاکستان کی بنیادوں کو کمزور کرنے کے درپے ہیں۔ اور انہوں نے گورنمنٹ پاکستان کے خلاف منظم پراپیگنڈا جاری کر رکھا ہے"۔

اس کے برخلاف احمدیوں کے متعلق مسلمانوں کی رائے بہت اچھی تھی۔ اور وہ ان کی خدمات کے معترف تھے اور شکر گذار تھے۔ مثلاً اخبار زمیندار ۱۱ر اکتوبر ۱۹۴۷ء میں زیر عنوان "قادیان کے تمام محلے صحرا کا منظر پیش کر رہے ہیں"۔ "ہندوستانی چار افسروں کا دورے کے بعد بیان"۔ میں یہ ذکر کرنے کے بعد کہ قادیان کے تمام محلے صحرا کا منظر پیش کر رہے ہیں۔ اور تین جگہوں پر مسلمان کفار کا مقابلہ بڑی بشاشت کے ساتھ کر رہے ہیں لکھا ہے:-

"قادیان میں جو کثیر التعداد پناہگزین ہیں مقامی ملٹری نے انہیں خوراک دینے سے انکار کر دیا ہے۔ اور احمدیہ انجمن سے کہا ہے کہ وہ ان مصیبت زدوں کے لئے خوراک کا انتظام کرے۔ چنانچہ انجمن اپنا راشن کم کر کے ان پناہگزینوں کو خوراک دے رہی ہے"۔

اس سے ظاہر ہے کہ مولانا مودودی کا یہ لکھنا کہ احمدیوں کے خلاف احرار ایجی ٹیشن شروع کرنے سے پہلے سے بے چینی تھی واقعات کے خلاف ہے۔

احراری توبہ کی حقیقت

پھر مولانا مودودی صاحب نے یہ لکھا ہے۔ کہ احراریوں نے اپنے پہلے سیاسی مسلک سے توبہ کی تھی۔ اور اپنی کوششوں کو صرف تحفظ ختم نبوت تک محدود رکھنے کا وعدہ کیا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ احرار نے تحفظ ختم نبوت کی تحریک کو بعض سیاسی اغراض اور سیاسی اقتدار حاصل کرنے کے لئے محض ایک آلۂ کار بنایا تھا۔ چنانچہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے ملتان کانفرنس میں تقریر کرتے ہوئے یہ اعلان کیا:-

"لوگ ایک غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ مجلس احرار اسلام اب "الیکشن بازی" سے الگ ہو گئی ہے۔ اب اسے ملکی معاملات میں دخل اندازی کی ضرورت نہیں رہی۔ کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ ہم مر گئے ہیں؟ ہم نے اس ملک کو چھوڑ دیا ہے.... یہاں تمام ملکی حقوق میں ہمارا دخل ہو گا۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ نافرمانی اور ڈائریکٹ ایکشن ہی ایک ایسا طریقہ ہے۔ جس کے ذریعے حقوق حاصل کئے جائیں بلکہ ایک شریفانہ طریقہ بھی ہے۔ جس سے حقوق حاصل ہو سکتے ہیں"۔ (آزاد کا ملتان کانفرنس نمبر صفحہ ۱۳ کالم ۲)

لیکن آخر کار انہوں نے اس شریفانہ طریق کو بھی چھوڑ کر جس کے وہ مدعی ہوئے تھے۔ ڈائرکٹ ایکشن اور نافرمانی کے ذریعے اپنے مقاصد پورا کرنے کی کوشش کی۔ یہ ہے اس توبہ کی حقیقت جس کا ذکر مولانا مودودی صاحب نے اپنے بیان میں کیا ہے۔

اور احرار کا یہ پرانا پروگرام ہے کہ وہ اپنی خاص اغراض اور اپنے مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے مسلم لیگ میں داخل ہو کر اس کی تباہی کی کوشش کریں اور اسے ناکام بنائیں چنانچہ خطبات احرار صفحہ ۹۵ میں چوہدری افضل حق ڈکٹیٹر احرار کا یہ اعتراف موجود ہے۔

"سرمایہ دار نظام میں گھس کر کامیاب حملہ کیا مشکل ہے؟ باوجود اس کے کہ ہم نے لیگ میں دو دفعہ گھسنے کی کوشش کی۔ تاکہ اس پر قبضہ جمائیں۔ دونوں دفعہ قاعدے اور قانون نئے بنائے گئے۔ تاکہ ہم بیکار ہو جائیں"۔

اسی اصول کے مطابق وقتی طور پر احرار نے اپنی سیاست کو مسلم لیگ کی سیاست میں مدغم کرنے کا اعلان کیا۔ اور کہا کہ ہم سیاست میں حصہ نہیں لیں گے۔ لیکن اس کے بعد جیسا کہ بخاری صاحب کے مذکورہ بالا اعلان اور حکومت کے خلاف ڈائرکٹ ایکشن اختیار کرنے سے ظاہر ہے کہ وہ اپنے عہد سے پھر گئے۔

مولانا مودودی صاحب کا گورنمنٹ کے اس اعلان پر کہ احرار نے دل سے پاکستان کو نہیں مانا۔ اور قیام پاکستان پر وہ دل سے کبھی راضی نہیں ہوئے۔ نکتہ چینی کرنا درست نہیں۔ کیونکہ احرار کی پچیس سالہ تاریخ گورنمنٹ کے سامنے تھی۔ اور پاکستان کے متعلق ان کے جو بیانات اس سے پیشتر شائع ہو چکے تھے۔ ڈائرکٹ ایکشن کے فیصلے نے یہ ثابت کر دیا کہ احرار اپنے پہلے ہی خیالات پر قائم ہیں۔ اور انہوں نے پاکستان کو اپنا وطن قرار نہیں دیا۔ جیسا کہ چوہدری افضل حق صاحب نے قیام پاکستان سے پہلے ہی یہ اعلان کر دیا تھا۔

(۱) "احرار کا وطن لیگی سرمایہ دار کا پاکستان نہیں"۔ (خطبات احرار صفحہ ۹۹)

(۲) "احرار اس پاکستان کو پلیدستان سمجھتے ہیں"۔ (خطبات احرار صفحہ ۹۳)

(۳) بخاری صاحب نے اعلان کیا:-

"ہم نام نہاد اکثریت کی تابعداری نہیں کریں گے۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ اکثریت باطل پر ہے"۔ (سوانح حیات بخاری مولفہ خان کابلی احراری صفحہ ۱۱ بحوالہ اخبار زمزم لاہور ۳۰ر اپریل ۱۹۳۹ء)

(۴) ۱۹۴۶ء کے انتخاب میں احرار نے مسلم لیگی امیدواروں کی مخالفت کی۔ ہفت روزہ "پیام گجرات" نے اداریہ میں زیر عنوان "مجلس احرار کا قول اور فعل"۔ ایک مضمون لکھا جس کے چند فقرات درج ذیل ہیں:-

"مجلس احرار نے مسلم لیگ کی حمایت کرنے کا اعلان کرنے کے باوجود انہوں نے صوبہ بھر میں مختلف بہانے تراش کر مسلم لیگی امیدواروں کی مخالفت کی۔ گجرات کو ہی لیجئے مجلس احرار کے سالار صوبہ اور بلا استثناء تمام احراریوں نے کھلم کھلا آزاد پاکستان پارٹی کے امیدوار کی حمایت کی آزاد پاکستان پارٹی کے امیدوار کا پولنگ ایجنٹ بھی یہی محمد سرور احراری تھا۔ اور شب و روز لیگ کی اعلانیہ مخالفت میں مشغول تھا۔ اور مسلم لیگ مردہ باد "آزاد پارٹی زندہ باد"۔ "مسلم لیگ کو توڑ دو"

کے شرمناک نعرے بازی دل اور سڑکوں پر لگاتا تھا۔ گجرات کے احراری سید عنایت شاہ صاحب بخاری سے لیکر محمد سرور احراری تک مسلم لیگ کی کھلم کھلا مخالفت کر رہے تھے۔ اور ان کا یہ طرزِ عمل صاف طور پر اس حقیقتِ حال کی غمازی کر رہا تھا۔ کہ مجلسِ احرار نے بحیثیت مجلس جس پالیسی کا اعلان کیا تھا۔ اس کے خلاف عمل کرنے کی اس نے اپنے ممبروں کو کھلی چھٹی دے رکھی ہے۔ گجرات کے ان احراریوں نے اور جیسا کہ صوبے کے دوسرے شہروں کی خبروں سے پتہ چلتا ہے۔ ہر جگہ احراریوں نے اپنی جماعت کی ظاہری پالیسی کے خلاف لیگی امیدواروں کی مخالفت کی۔" (تنظیم گجرات مورخہ ۳۰ ر مارچ صہ کالم ۱)

مولانا مودودی صاحب لکھتے ہیں۔ کہ تحریک ختم نبوت مذہبی تحریک ہے۔ اور اس کے چلانے کے لئے اس ملک میں اگر کوئی جماعت تھی۔ تو وہ احراری جماعت تھی۔ اس فقرہ سے ایک تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ احمدیوں کے خلاف لوگوں کے جذبات کو اس تحریک کے ذریعہ بھڑکایا گیا ہے۔ دوسرے یہ تحریک مذہبی نہیں بلکہ سیاسی اغراض کی بنا پر تھی۔ کیونکہ اگر صرفاً مذہبی ہوتی تو کیا وجہ ہے کہ مولانا مودودی صاحب اور ان کی جماعت اس تحریک کو کامیابی کے ساتھ نہ چلا سکتی۔ جبکہ وہ پیرا نمبر ۱۱ میں خود تسلیم کرتے ہیں۔ کہ جس وقت احرار نے یہ تحریک شروع کی اس وقت احراری "اپنی سابق کانگریسیت کی وجہ سے مسلمانوں میں سخت غیر مقبول ہو چکے تھے۔ اور ان کی کوئی حیثیت نہ تھی۔ کہ وہ اپنے بل بوتے پر اس ملک میں کوئی عام تحریک برپا کر سکتے"

اور ان کے مقابلہ میں مولانا مودودی صاحب اپنے کو اور اپنی جماعت کو مقبول سمجھتے تھے۔ لیکن شائد مولانا مودودی صاحب کی عدم توجہ کا باعث یہ ہو کہ ان کے نزدیک جماعت احمدیہ تقریباً مر چکی تھی۔ اور احراری اس تحریک کو چلانے کے لئے مجبور تھے۔ کیونکہ ان کے لئے پاکستان میں اپنا رسوخ جمانے کے لئے اس کے سوا اور کوئی راہ نہ تھی۔ جیسا کہ اسلامی جماعت کے آرگن اخبار کوثر نے لکھا:-

"احرار اچھا ہوا سیاست سے ریٹائر ہو گئے۔ کیونکہ نئے دیس میں اور نئے حالات اور مسائل کے اندر ان کے لئے اپنی راہیں متعین کرنا۔ جیسے شیر لانے سے زیادہ کٹھن تھا۔ یوں بھی پاکستان میں ان کے لئے کام کرنے کا کوئی موقعہ نہ تھا۔ عوام کو بھی ان کے سیاسی یتیموں سے کوئی خاص دلچسپی نہ تھی۔ اب جو احرار نے مرزائیوں پر توجہ دی ہے۔ وہ ان کے لئے نہایت مفید ہے۔ امت مرزائیہ پاکستان بننے کے بعد اپنی موت مر چکی ہے"۔ (کوثر ۱۸ ر نومبر ۱۹۴۹ء)

پیرا نمبر ۱۲

مولانا مودودی صاحب نے اس پیرا میں بھی کئی باتیں خلاف واقعہ بیان کی ہیں۔ مثلاً انہوں نے لکھا ہے۔ کہ احمدی چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب کے جہانگیر پارک میں تقریر کرنے سے پہلے نہ قیام پاکستان سے قبل نہ بعد پبلک جلسہ کیا کرتے تھے۔

اس امر کا خلاف واقعہ ہونا سب لوگوں پر ظاہر ہے۔ کیونکہ قیام پاکستان سے پہلے ہر ضلع اور قصبات اور دیہات میں سینکڑوں جگہ احمدیوں کے پبلک جلسے ہوئے تھے۔ اور قیام پاکستان کے بعد بھی حضرت امام جماعت احمدیہ کی پبلک تقریریں لاہور میں تھیں اور راولپنڈی کراچی۔ سرگودھا۔ جہلم۔ پشاور۔ کوئٹہ میں ہوئیں (الفضل مورخہ ۳-۸-۱۸ ۲۷ دسمبر ۱۹۴۷ء و الفضل ۱۱ و ۱۸ ر جنوری ۱۹۴۸ء و الفضل ۱۹ ر مارچ ۱۹۴۸ء و ۱۴ ر اپریل ۱۹۴۸ء)

اور اسی طرح جماعت احمدیہ کے پبلک جلسے۔ لاہور۔ سرگودھا۔ پشاور راولپنڈی۔ جہلم۔ سیالکوٹ۔ گوجرانوالہ گجرات۔ گوجرانوالہ اور دیگر قصبات و دیہات میں ہوتے رہے۔ جن کی رودادیں عام طور پر اخبارات میں شائع ہوتی رہیں مولانا مودودی صاحب نے جہانگیر پارک کے جلسہ کو ایجی ٹیشن کے آغاز کا سبب قرار دیا ہے۔

غور کیا جائے تو یہ جلسہ کسی صورت میں بھی ایجی ٹیشن کا سبب نہیں ہو سکتا تھا۔ کیونکہ جو تقریریں اس جلسہ میں ہوئیں وہ سب قانونی حدود کے اندر تھیں۔ اور چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کی تقریر بھی "اسلام زندہ مذہب ہے" کے عنوان پر ہوئی۔ چنانچہ کمشنر کراچی نے پریس کانفرنس میں بیان دیتے ہوئے۔ ان لوگوں کی مذمت کی جنہوں نے جلسے میں شور مچایا تھا۔ اور ہلڑ بازی کی۔ "اخبار جنگ" کراچی لکھتا ہے کہ کمشنر نے کہا:-

ہجوم کا رویہ بہت سخت قابل اعتراض تھا۔ اور وہ اپنے اس رویہ کا کوئی جواز پیش نہیں کر سکتے۔ یہ ضروری ہے۔ کہ ہر پاکستانی کو قانونی حدود میں رہتے ہوئے اپنے مذہبی اعتقادات پر عمل کرنے کی پوری پوری آزادی حاصل ہے"۔ کمشنر نے بتایا۔ کہ

"ان کے جلسے سے کئی روز قبل اس قسم کے تار آئے تھے کہ جلسے میں گڑبڑ ہوگی اور ان کا خیال تھا کہ اس گڑبڑ میں کسی جماعت کا ہاتھ ہے۔ انہوں نے کہا کہ گرفتار ہونے والوں میں مجلس احرار کے چند کارکن ہیں۔ اور اس امر کی تحقیق ہو رہی ہے۔ کہ اور کسی جماعت کا اس میں ہاتھ ہے یا نہیں؟

مسٹر نقوی نے کہا:-

"غنڈوں اور کرایہ کے آدمیوں کے ذریعہ ہنگامہ کرایا گیا"۔ (جنگ کراچی ۲۱ ر مئی ۱۹۵۲ء)

بقول کمشنر کراچی یہ ہیں وہ صالحین عوام الناس جنہوں نے کراچی کے جلسہ میں ہنگامہ برپا کیا۔ جسے مولانا مودودی صاحب پبلک ایجی ٹیشن کے آغاز کا سبب بتا رہے ہیں۔ اسی طرح ڈان (مورخہ ۲۰ ر مئی ۵۲ء) و سندھ آبزرور (۲۰ ر مئی ۵۲ء) و سول ملٹری کراچی و ۱۹ ر مئی ۵۲ء) وغیرہ اخبارات نے اس ہنگامہ کرنے والوں کی سخت مذمت کی اور ان کے فعل کو غیر مہذبانہ اور غیر شریفانہ قرار دیا۔ اور پاکستان میں ہر فرقہ کو پوری آزادی کا جو حق حاصل ہے۔ اس کی حمایت کی۔ جو اس امر کا ثبوت ہے۔ کہ در حقیقت یہ ایجی ٹیشن کرنے والے پاکستان کے خیر خواہ نہیں تھے (متعدد اخبارات کی آراء کے لئے ملاحظہ ہو کتاب "احراری ناپاک سازش")

اس کے بعد مولانا مودودی صاحب نے اس پیرا میں یہ لکھا ہے۔ کہ انہوں نے حکومت کو بعض مشورے دیئے۔ جس کے متعلق ہمیں کوئی ذاتی علم نہیں۔ یہ ان کا اور حکومت کا معاملہ ہے۔

پیرا نمبر ۱۳

میں مودودی صاحب نے یہ لکھا ہے کہ مئی ۵۲ء کے بعد مسلمانانِ بہاولپور و پنجاب نے جلسے کئے اور ریزولیوشن پاس کئے مگر دسمبر ۵۲ء میں جب حکومت نے

BASIC PRINCIPLES

COMMITTEE REPORT

شائع کی تو اس نے مسلم عوام کے اندر آئینی طریق کار سے عام مایوسی پیدا کر دی۔ اور در حقیقت اس چیز نے اس غیر آئینی طریق کار کے لئے زمین ہموار کی جو بعد میں احرار نے ڈائرکٹ ایکشن کی شکل میں تجویز کیا

پیرا نمبر ۱۴

اس پیرا میں مولانا مودودی صاحب نے یہ لکھا ہے:-

"ایک طرف عوام کی طرف سے مسلسل ایک مطالبہ ہو اور عوام جذباتی حیثیت سے اس پر مشتعل ہی نہ ہوں بلکہ دلائل کی بنا پر مطمئن ہوں۔ دوسری طرف حکومت کوئی وجہ بتائے بغیر اسے ٹھکرا دے اور عوام کو دلائل سے مطمئن کرنے کی کوشش نہ کرے .... یہ ڈھنگ ڈکٹیٹرشپ میں تو چل سکتے ہیں۔ مگر ایک جمہوری نظام میں خود اپنے بنائے ہوئے حکمرانوں کی طرف سے یہ برداشت کرنا عوام کے لئے ممکن نہیں ہے۔

اسی طرح آگے چل کر لکھتے ہیں۔ کہ حکومت نے اپنے اعلانات میں قادیانیوں کے مسلمانوں سے الگ کرنے کے مطالبہ کو عام قومی مطالبہ تسلیم نہ کرنے کی وجہ سے بھی عوام میں سخت ناراضگی پیدا کی۔

اس میں مولانا مودودی صاحب نے حسب عادت احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے مطالبہ کو عوام کا مطالبہ قرار دیا ہے۔ اور حکومت کو اس مطالبہ کے نہ ماننے پر قصوروار ٹھہرایا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے۔ کہ ۲۲ ر فروری ۵۳ء تک یہ کوئی عوام کا مطالبہ نہ تھا۔ چنانچہ مولانا مودودی صاحب اپنے خط مورخہ ۲۳ ر فروری ۵۳ء میں مجلس عمل کو لکھتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"۵۔ میں اس سے پہلے بھی مجلس عمل کے ذمہ دار حضرات کو لکھ چکا ہوں اور پھر آخری طور پر عرض کرتا ہوں۔ کہ اس وقت کسی سخت ایجی ٹیشن کے لئے فضا بالکل تیار نہیں ہے۔ اس کے دو وجوہ ہیں۔ اول :- یہ کہ پنجاب سمیت پورے ملک میں تعلیم یافتہ پبلک کو قادیانیوں کے بارے میں ہمارے مطالبہ کی صحت پر اب تک مطمئن نہیں کیا جا سکا۔ دوئم :- یہ کہ عوام الناس بھی صرف پنجاب اور بہاولپور ہی میں اس مطالبہ کی حمایت کے لئے تیار کئے جا سکے ہیں۔ باقی دوسرے تمام صوبوں اور سب سے بڑھ کر بنگال کے عوام اس سے بالکل غیر متاثر ہیں۔ اس صورت میں صرف پنجاب اور بہاولپور کے عوام کو "لڑا کر" آخر کیسے کامیابی حاصل کی جا سکتی ہے"؟ (یہ گرفتاریاں کیوں مؤلفہ ناظم شعبہ نشر و اشاعت جماعت اسلامی پاکستان صہ ۲۹)

اسی طرح ناظم شعبہ نشر و اشاعت جماعت اسلامی اس رسالہ کے صہ ۳۰ میں لکھتے ہیں کہ مولانا مودودی صاحب نے وسط فروری سے ۲۶ فروری تک مجلسِ عمل کو بار بار توجہ دلائی۔

"کہ اس تحریک میں بڑے بڑے خلا ہیں جن کو بھرے بغیر کوئی قدم اٹھانا مناسب نہیں ہے۔ پہلا خلا یہ ہے کہ پنجاب کے سوا دوسرے صوبوں میں باشندے قادیانی مسئلے کی نوعیت اور اہمیت سے ابھی تک واقف نہیں ہیں۔ دوسرا خلا یہ ہے کہ خود پنجاب کے بھی تعلیمیافتہ لوگ۔ اس مسئلے کے مذہبی معاشرتی۔ سیاسی پہلوؤں کو اچھی طرح نہیں سمجھتے"۔ (نیز ملاحظہ ہو تحریری بیان مولانا مودودی صاحب اپنڈکس صہ ۵ زیر عہ)

ان فقرات سے ظاہر ہے کہ مولانا مودودی صاحب کا یہ بیان کہ احمدیوں کو غیر مسلم قرار دینے کا مطالبہ عوام کا مطالبہ ہے حقیقت پر مبنی نہیں ہے۔ اور واقعات کے بالکل خلاف ہے۔ ۲۲ر فروری ۱۹۵۳ء تک وہ خود تسلیم کرتے ہیں کہ اس مطالبہ کو عوام کی تائید حاصل نہیں تھی بلکہ بہت تھوڑے لوگ تھے جو مطالبہ کرتے تھے۔ پنجاب اور بہاولپور کے عوام کے سوا دوسرے کسی صوبہ کے عوام اس تحریک سے واقف نہیں تھے۔ اور پنجاب کے تعلیم یافتہ طبقہ کی اکثریت بھی ان کی اپنی تحریر کے مطابق اس تحریک سے متاثر نہیں تھی اور جو تیار ہوئے تھے۔ وہ بھی خود تیار نہ ہوئے تھے۔ وہ تیار کئے گئے تھے۔ مولانا مودودی صاحب کے اس حوالہ سے ان کی یہ دلیل بھی باطل ہو گئی۔ جو انہوں نے مذکورہ بالا تحریر کے دس دن بعد لکھی تھی۔

"ایسے ایک مطلبے کو مسلسل ٹالنا اور پھر کوئی معقول وجوہ بتائے بغیر مایوس کن جواب دے دینا مرکزی قیادت کی سخت غلطی ہے۔ جسے کسی طرح حق بجانب ثابت نہیں کیا جا سکتا"

(یہ گرفتاریاں کیوں؟ ص۳۲ شق ۲)

جب یہ مطالبہ خود ان کے دعوے کے مطابق اکثریت کا تھا ہی نہیں اور جب خود مولانا مودودی صاحب کے بیان کے مطابق مجلس دستور ساز کی بیسک پرنسپل کمیٹی اس کے رد کرنے کی ذمہ دار تھی تو وجہ تو ظاہر تھی کہ چونکہ مجلس دستور ساز کی بیسک پرنسپل کمیٹی کے بنائے ہوئے اصول کے خلاف یہ مطالبہ تھا۔ اس لئے کیبنٹ اس کو قبول نہ کر سکتی تھی۔ پس یا تو مولانا مودودی صاحب کا یہ بیان غلط تھا کہ بیسک پرنسپل کمیٹی کی تائید حکومت کو حاصل تھی اور یا پھر یہ الزام مولانا مودودی صاحب کا غلط ہے۔ کہ کوئی معقول وجہ بتائے بغیر اس مطالبہ کو رد کر دیا گیا ہے۔ مرکزی وزارت دستور ساز مجلس کے ماتحت ہے جس قانون کو مجلس دستور ساز پاس نہیں کرتی کیبنٹ اس قانون کو تسلیم نہیں کر سکتی پس یہ غلط ہے کہ اس مطالبہ کو رائے عامہ کی تائید حاصل تھی۔ اس لئے مولانا مودودی صاحب کا حکومت پر اعتراض بھی باطل ہے

ایک اور ثبوت اس امر کا کہ یہ مطالبہ کرنا ہے کہ قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا جائے جمہور کا مطالبہ نہ تھا یہ بھی ہے کہ ناظم شعبہ نشر و اشاعت جماعت اسلامی نے یہ گرفتاریاں کیوں"کے ص۱۶ پر لکھا ہے۔

"جماعت اسلامی دستوری ترمیمات (جن میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی شق بھی شامل ہے) سے رائے عامہ کو واقف کرانے پر پروگرام لے کر اٹھ رہی تھی۔ کہ یکایک سرزمین پنجاب سے قادیانیوں کا مسئلہ آندھی کی طرح اٹھا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس نے تمام صوبہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا"

پھر مولف رسالہ نے "یہ گرفتاریاں کیوں" کے ص۱۹-۲۰ میں پنجاب اسمبلی کے اجلاس میں بعض تقریروں اور خود میاں ممتاز دولتانہ کے ایک ایک ریڈیو پر نشر شدہ اعلان کا حوالہ دے کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اس آندھی کی طرح مسئلہ کے اٹھنے کا باعث میاں ممتاز دولتانہ تھے۔ اور یہ مسئلہ ایسے وقت میں اٹھایا گیا جبکہ مولانا مودودی صاحب اور جماعت اسلامی کے نزدیک عام لوگ اس سے واقف نہ تھے۔ اور وہ ان کو واقف کرانے کے لئے ابھی پروگرام ہی تیار کر رہے تھے

اور پھر یہ کہ میاں صاحب موصوف نے یہ ایجی ٹیشن اپنے سیاسی مقاصد کی خاطر شروع کی تھی۔ ہمیں اس سے غرض نہیں کہ یہ ایجی ٹیشن میاں ممتاز دولتانہ نے کرائی یا کسی اور نے سوال اس جگہ یہ ہے کہ پنجاب میں عملاً ایجی ٹیشن کو ہوا دینے والے علماء تھے یا نہ تھے۔ اگر یہ آگ عملاً وہی علماء لگانے والے تھے جو کہ اس کمیٹی کے ممبر تھے۔ جس کمیٹی کے فیصلہ کی بناء پر مولانا مودودی صاحب دعوےٰ کرتے ہیں کہ مسلمان اس مسئلہ میں سارے متفق تھے۔ تو مولانا مودودی صاحب اور ان کے رفقا ہمیں بتائیں کہ کیا اس واقعہ سے یہ ثابت نہیں ہو جاتا کہ علماء خریدے جا سکتے ہیں اور سیاسی جماعتیں ان کو استعمال کر سکتی ہیں۔ جیسے کہ بقول ان کے میاں ممتاز دولتانہ نے علماء کو خریدا اور اپنی سیاسی اغراض کے حصول کے لئے استعمال کیا۔ اس صورت میں مولانا مودودی صاحب بتائیں کہ ایسے علماء اور ان کے اجماع اور فتووں کی حیثیت کیا رہ جاتی ہے۔ اور جبکہ اس رسالہ "یہ گرفتاریاں کیوں" میں تسلیم کیا گیا ہے۔ کہ مولانا مودودی صاحب اور ان کی جماعت کے نزدیک یہ تحریک بے موقعہ اٹھی۔ اور دولتانہ نے اس کو اٹھایا حیرت ہے ایک طرف تحریک کو بے موقعہ اور دولتانہ کا سٹنٹ قرار دیا جاتا ہے۔ اور دوسری طرف اسی تحریک کو جمہوری تحریک کہہ کر تھکیا قرار دیا جاتا ہے۔ اور گورنمنٹ کے فعل کو نادرست اور غلط قرار دیا جاتا ہے۔ (نیز اس کے متعلق ملاحظہ ہو جواب پیرا ۱۴)

پیرا ۱۵ - اس پیرا میں مولانا مودودی صاحب نے ایجی ٹیشن کرنے والوں کی حمایت کی ہے۔ اور گورنمنٹ نے جو ایجی ٹیشن کو فرو کرنے کے لئے تدابیر اختیار کیں۔ اس میں ان کے اختیار کرنے میں گورنمنٹ کو غلطی پر قرار دیا ہے۔ لیکن مولانا مودودی صاحب کا یہ عذر بظاہر درست نہیں۔ کیونکہ گورنمنٹ اس ایجی ٹیشن کے چلانے والوں سے واقف تھی۔ اور اس واقعہ سے تھوڑا عرصہ پہلے جو انہوں نے ملتان۔ اوکاڑہ۔ لائل پور، راولپنڈی وغیرہ میں قتل اور لوٹ مار کی وارداتیں کی تھیں اس کے پیش نظر تھیں۔ اور جو کچھ مظاہرین اس وقت کر رہے تھے۔ اسے گورنمنٹ کے افسران بچشم خود دیکھ رہے تھے۔ بہر حال ان امور کا حقیقی جواب وہی ہوگا جو گورنمنٹ دے گی۔

پیرا ۱۶، ۱۷، ۱۸ - ان ہر سہ پیرا میں مولانا مودودی صاحب نے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے۔ کہ مظاہرہ کرنے والوں میں اشتعال کا باعث جس کی وجہ سے وہ قتل لوٹ۔ آتشزنی اور تخریبی افعال کے مرتکب ہوئے یہ تھی کہ لاہور میں پولیس نے ۴ر مارچ کو پُر امن مجمعوں پر یونہی لاٹھی چارج شروع کر دیا تھا جس کی وجہ سے پبلک لاٹھی کا جواب پتھر سے دینے پر اتر آئی۔ جس میں پولیس نے اور خصوصاً بارڈر پولیس نے فائرنگ شروع کی۔ ورنہ مسلم مظاہرین جیسا کہ ان کا تجربہ ہے یونہی اشتعال میں آ کر غیر قانونی افعال کے مرتکب نہیں ہوتے۔ گویا اس طرح مولانا مودودی صاحب نے اپنی اور ڈائرکٹ ایکشن کے لیڈروں کی بریت ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن مولانا مودودی صاحب کی بریت کی یہ کوشش بے کار ہے۔ کیونکہ خود مولانا مودودی صاحب نے موچی دروازہ لاہور میں تقریر کرتے ہوئے ۳۱ جنوری ۱۹۵۳ء کو یہ کہا تھا کہ:

اگر یہی حال رہا تو یہاں بھی قادیانی مسلم فسادات شروع ہو جائیں گے۔ جس طرح یہاں ہندو مسلم فسادات ہوا کرتے تھے۔

(کوثر یکم فروری ۱۹۵۳ء)

مولانا مودودی صاحب کا یہ فقرہ فساد کے لئے انگیخت نہیں تو اور کیا ہے آخر اس تحریک کو چلانے والے مولانا مودودی صاحب اور دوسرے علماء ہی تھے اگر ان کے مخاطب مسلمان تھے۔ اور ان کا ادب اور لحاظ کرنے والے تھے۔ اگر مولانا مودودی صاحب اور ان کے ساتھیوں نے انہیں امن سے رہنے کی تلقین کی تھی تو ایسے فسادات کے ہونے کا خطرہ کسی طرح ہو سکتا تھا۔ جس میں سارے مسلمان ملوث ہو جائیں۔ اس فقرہ کے صاف معنے یہ تھے۔ کہ اگر حکومت ہماری بات نہ مانے تو اے ہمارے مخاطبو! وہی کچھ کرنا شروع کر دینا جو ہندو مسلم فسادات کے زمانے میں ہوا تھا۔

مولانا مودودی صاحب کے اس اعلان میں یہ کوئی ذکر نہیں تھا کہ بارڈر پولیس ظلم کرے گی تو ایسا ہوگا۔ بلکہ یہ کہا تھا کہ گورنمنٹ کے ہمارے مطالبات کو نہ ماننے کی وجہ سے ایسا ہوگا۔

مولانا مودودی صاحب نے پیرا ۱۶ میں مظاہرین کے اشتعال کی وجہ بارڈر پولیس کا فائرنگ کرنا بیان کی ہے۔ اس کی تردید ان کے بیان مندرجہ پیرا ۱۸ سے بھی ہوتی ہے۔ جس میں وہ ۵ر مارچ کو گورنر پنجاب کے سامنے اپنی تقریر کا حوالہ دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر حکومت مطالبات نہ ماننے کی کوئی معقول وجہ پیش کر دیتی۔ تو عوام دنگے فساد پر نہ اترتے۔ لیکن اس نے تو یونہی مطالبات کو رد کر دیا۔ پس لوگوں میں غصہ پیدا ہونا قدرتی بات تھی۔ مولانا مودودی صاحب نے اس بیان میں یہ تسلیم کیا ہے کہ مظاہرین کے دنگہ فساد اور غصہ کی اصل وجہ بارڈر پولیس کی فائرنگ نہیں تھی۔ بلکہ گورنمنٹ کا ان مطالبات کو رد کر دینا تھا۔

پیرا ۱۹ - یہ پیرا بھی حکومت کے انتظام کے ساتھ تعلق رکھتا ہے لیکن اس میں انہوں نے جو برجا پرشید اور جن سنگھ اور کلکتہ کے فسادات کا ذکر کر کے حکومت پاکستان کو پست ہمت اور کم حوصلہ بتایا ہے وہ ان کی پاکستان کے متعلق رائے کو ظاہر کرتا ہے۔ پرجا پرشد اور جن سنگھ کا زور زیادہ تر کشمیر کی اسلامی حکومت کے متعلق تھا۔ اور پاکستان کے خلاف تھا۔ ان کے اوپر سختی کرنے کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ ہندو گورنمنٹ کے خلاف ہو جاتے۔ اور دل میں ہندو گورنمنٹ بھی ان کے مطالبات سے متفق تھی۔ چنانچہ کشمیر کے نئے حالات نے ان کی تصدیق کر دی۔ اس لئے جو کچھ پرجا پرشید اور جن سنگھ کے متعلق ہندوستانی گورنمنٹ نے کیا وہ امن اور انصاف کے لئے نہیں بلکہ کشمیر کی حکومت اور پاکستان کے خلاف اپنے ارادوں کو پورا کروانے کے لئے ان کو ڈھیل دی گئی۔ اور ظاہر میں تھوڑی بہت سختی بھی کر دی گئی۔ تاکہ دنیا میں ان کی بدنامی نہ ہو۔ اس قسم کے خیالات کے اظہار نے ہندوستان کی گورنمنٹ کو کشمیر اور مسلمانوں کے بارے میں زیادہ سے زیادہ سخت کر دیا ہے۔

اس لئے ہمارے نزدیک ہندوستانی گورنمنٹ کی اختیار کردہ پالیسی کو پاکستان حکومت کی اختیار کردہ تدابیر کے خلاف پیش کرنا درست نہیں ہے۔ پیرا ۱۹ کی شق [illegible] میں جو کچھ انہوں نے لکھا ہے [illegible] وہ ان کے سارے بیان کو رد کر دیتا ہے۔ شروع بیان میں انہوں نے اس بات پر زور دیا ہے کہ کسی شخص کو تحریک اور فساد پیدا کرنے کی ضرورت نہیں تھی احمدی عقائد اور احمدی سلوک نے مسلمان مجبور کئے بیٹھے تھے

ملاحظہ ہو صفحہ ۱۲، ۱۳

اور یہی بات انہوں نے پیرا ۱۹ کی شق ۳ کے ماتحت لکھی ہے۔ کہ قادیانی جماعت نے اپنے رویہ سے اپنے خلاف مسلمانوں کو مشتعل کر دیا تھا۔ لیکن اسی پیرا ۱۹ میں وہ یہ بھی لکھتے ہیں۔ "کہ فروری ۵۳ء کے آخر تک اضلاع کے حکام خود اس تحریک میں حصہ لینے کے لئے لوگوں کو ابھارتے رہے۔"

اس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ یہ فسادات آپ ہی آپ پیدا نہیں ہوئے بلکہ پیدا کروائے گئے۔ اور ناظم شعبہ نشر و اشاعت جماعت اسلامی نے "یہ گرفتاریاں کیوں؟" میں یہ بھی ذکر کیا ہے۔ کہ اس تحریک کو میاں دولتانہ نے ہوا دی۔" (مزید وضاحت کے لئے ملاحظہ ہو جواب پیرا ۱۰)

اسی پیرا کی شق ۳ میں مولانا مودودی صاحب نے اضطرابات کی ذمہ داری قادیانی جماعت اور ڈائرکٹ ایکشن کا وابستہ دکھانے والی جماعتوں اور مرکزی حکومت اور صوبائی حکومت پر ڈالی ہے۔ اور اپنے آپ کو ہر قسم کی ذمہ داری سے بری ٹھہرانے کی کوشش کی ہے۔ مولانا مودودی صاحب نے جماعت احمدیہ پر ذمہ داری ڈالنے کی جو وجہ ذکر کی ہے۔ اس کا مفصل جواب ہم پیرا ۲، ۳ کے ماتحت دے چکے ہیں۔

احمدیوں کو بہائیوں پر قیاس کرنا

مولانا مودودی صاحب کا احمدیوں کو بہائیوں پر قیاس کر کے یہ اقتراح پیش کرنا کہ اگر احمدی بھی بہائیوں کی طرح مسلمانوں سے اپنا علیحدہ مذہب قرار دے لیتے۔ تو پھر مسلمان ان کے ساتھ رواداری کا سلوک کرتے۔ جیسا کہ وہ ہندو، عیسائیوں وغیرہ سے کرتے ہیں۔ ان کی بہائی مذہب سے ناواقفیت پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ بہائی شریعت اسلامیہ کو منسوخ اور بہاء اللہ کو تمام انبیاءؑ سے بشمولیت آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم برتر اور افضل قرار دیتے ہیں۔ اور جس طرح عیسائی حضرت مسیح علیہ السلام کو کامل مظہر الٰہی قرار دے کر درجۂ الوہیت دیتے ہیں۔ اسی طرح بہائی بہاء اللہ کو الوہیت کا درجہ دے کر اس کی پرستش کرتے ہیں۔ اور ان کی شریعت کی کتاب "اقدس" ہے۔ جس کو وہ قرآن مجید سے افضل اور اس کا ناسخ جانتے ہیں۔ اور ان کی نماز اور روزہ اور حج اور زکوٰۃ اور دیگر احکام سب اسلامی احکام کے مخالف ہیں۔ وہ تین نمازیں فرض جانتے ہیں۔ اور عکہ کو اپنا قبلہ سمجھتے ہیں۔ اور مکہ مکرمہ اور دیگر مقامات مقدسہ سے اس کو افضل سمجھتے ہیں۔ اور روضۂ بہاء اللہ کا طواف کرتے ہیں۔ اور سجدہ کرتے ہیں۔

برخلاف اس کے احمدی آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو خاتم النبیین یقین کرتے ہیں۔ اور تمام اولین و آخرین سے افضل سمجھتے ہیں اور قرآنی شریعت کو کامل دائمی شریعت مانتے

ہیں۔ اور اس میں کمی یا زیادتی کو کفر خیال کرتے ہیں۔ اور تمام ارکان اسلام نماز روزہ وغیرہ اسلامی ہدایات کے مطابق ادا کرتے ہیں۔ اور امت محمدیہ میں سے ہونا اپنے لئے باعث فخر خیال کرتے ہیں۔

مولانا مودودی صاحب اگر اس مشورہ پر جس کا انہوں نے احمدیوں کے متعلق اظہار کیا ہے۔ خود عمل کر لیں۔ تو شاید مناسب ہوگا۔ کیونکہ دوسرے علماء ان کے متعلق وہی خیال کرتے ہیں۔ جو انہوں نے احمدیوں کے متعلق ظاہر کیا ہے۔

(۱) چنانچہ شیخ الہند مولانا حسین احمد مدنی شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند و صدر جمعیۃ العلماء ہند نے ان امور کے متعلق جو ان کی تحریک کی بنیاد ہیں۔ یہ فتویٰ دیا ہے۔

"یہ امور نہایت خطرناک ہیں۔ جن سے نہ صرف افتراق بین المسلمین کا اندیشہ ہے۔ بلکہ دین اسلام کی بربادی کا بھی سخت خطرہ ہے۔ یہ اصول مودودی صاحب اور ان کے اتباع کے دینِ حنیف کی جڑوں پر کاری ضرب لگانے والے ہیں۔ اور ان کے ہوتے ہوئے دینِ اسلام کا مستقبل نہایت تاریک نظر آتا ہے۔" (مولانا مودودی کی تحریک اور جماعتِ اسلامی کی بابت استفتائے ضروری مع جوابات مطبوعہ مرتضٰی پریس لاہور صفحہ ۹)

(۲) مولانا مصطفٰی رضا خاں صاحب بریلوی و مولانا ابوالفضل سید محمد افضل حسین مفتی دارالعلوم منظر الاسلامی بریلی لکھتے ہیں۔

"اس (یعنی مولانا مودودی صاحب) کی تحریک اسلام میں رخنہ اندازی اور تفریق بین المسلمین اور کفر سازی و کافر گری ہے۔" (استفتائے ضروری صفحہ ۱۰)

(۳) السید مہدی حسن صدر مفتی دارالعلوم دیوبند کا مولانا مودودی صاحب کی تحریک کے متعلق یہ فتویٰ ہے:۔

"مسلمانوں کو اس تحریک میں ہرگز شامل نہیں ہونا چاہیئے۔ ان کے لئے زہر قاتل ہے۔" (استفتائے ضروری صفحہ ۱۲)

پس مولانا مودودی صاحب کو مذکورہ بالا مشورہ کے مطابق چاہیئے۔ کہ وہ اور ان کی جماعت اسلام اور مسلمانوں سے مذہبًا علیحدہ ہو جائیں۔ اور ان سے اپنا کوئی تعلق نہ رکھیں۔ تا ان کی اور ان کی جماعت کے [illegible] مسلمانوں کی طرف سے ہندوؤں اور عیسائیوں جیسا رواداری کا سلوک ہوتا رہے۔

جداگانہ تنظیم:۔ مولانا مودودی صاحب نے جماعت احمدیہ پر ذمہ داری ڈالنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے احمدیوں کی جداگانہ تنظیم کا بھی ذکر کیا ہے۔ حالانکہ مولانا مودودی صاحب اور ان کی اپنی جماعت کی جداگانہ تنظیم موجود ہے۔ اور وہ اپنی اس جداگانہ تنظیم کا مشترکہ امور میں بھی قائم رکھنا ضروری سمجھتے ہیں۔ چنانچہ ۲۲ فروری ۵۳ء کو مولانا مودودی صاحب نے اپنے نمائندہ مجلس عمل کو جو خط بھیجا۔ اس میں لکھا:۔

"ہم اس مجلس میں یہ سمجھتے ہوئے شریک ہوئے ہیں۔ کہ مقصد خاص کے لئے جو پروگرام بھی ہم مل کر طے کریں گے۔ اسے اپنی اپنی جماعتوں کے ذریعہ سے ہم خود روبعمل لائیں گے۔ یہ بات ہمارے پیش نظر ہرگز نہیں تھی۔ کہ ہمارے جماعتی نظام مجلس عمل میں ختم ہو جائیں۔ اور براہِ راست مجلسِ عمل کے احکام کے ماتحت ہمارے جماعتی نظام کے کارکن بھی کام کرنے لگیں۔ یہ بات اگر پہلے ہمارے سامنے آتی۔ تو ہم اسی وقت مجلس عمل کی شرکت سے انکار کر دیتے۔" (یہ گرفتاریاں کیوں؟ ص ۲۷)

اور ۱۹ فروری ۵۳ء کو مولانا مودودی صاحب نے اپنے کارکنوں کو بذریعہ روزنامہ تسنیم یہ ہدایت بھجوائی۔

"جماعت کے کارکنوں کا کام صرف ان ہدایات پر عمل کرنا ہے۔ جو جماعت اسلامی کے مرکز سے ان کو ملیں۔ یہ بات نظامِ جماعت کے خلاف ہے۔ کہ ہمارے کارکن کسی دوسرے نظام کے احکام پر عمل کرنے لگیں۔"

(ملاحظہ ہو اپنڈکس ع۲ تحریری بیان مولانا مودودی صاحب)

گویا وہ اپنی جداگانہ تنظیم کو کسی حال میں بھی چھوڑنے کے لئے تیار نہیں۔ لیکن برخلاف اس کے جماعت احمدیہ کا یہ حال ہے۔ کہ ملکانہ کے ارتداد کے وقت اور اسی طرح ۲۶ء کو پنجاب میں انہوں نے دوسرے مسلمانوں کے ساتھ مل کر کام کیا۔ ۱۹۲۱ء کی کشمیر ایجی ٹیشن میں دوسرے مسلمانوں کے ساتھ مل کر ہزاروں احمدیوں نے کام کیا۔ جیل خانہ گئے۔ احمدی وکلاء نے مقدمات کی پیروی کی۔ ہزاروں روپے کی امداد کی۔ ۴۶ء کے بہار کے فسادات میں قائداعظم کے اعلان پر سب سے زیادہ لبیک کہی۔ اور خود بھی طبی وفد مسلمانوں کی امداد کے لئے بہار بھجوایا۔ تقسیم سے پہلے اور معًا بعد کے فسادات میں امرتسر کے مسلمان کارکنوں کی تنخواہوں کے لئے دو ہزار روپے ماہوار بھجواتے رہے۔ جو مسلمان ظلمًا پکڑے گئے۔ ان کی امداد کے لئے دو وکیل بھجوائے۔ غلہ جمع کر کر کے بھجواتے رہے۔ اور تقسیم کے موقع پر پاکستان آنے والے ہزاروں مہاجروں کو قادیان میں کھانا کھلاتے رہے۔ حتی کہ ایک دن ان کی تعداد ساٹھ ہزار تک جا پہنچی۔ تقسیم کے بعد کشمیر کی جنگ میں دو سال احمدیہ بٹالین لڑی۔

مولانا مودودی صاحب منہ سے جو چاہیں کہیں۔ مگر احمدیوں کا عمل مسلمانوں کے سامنے ہے۔

مولانا مودودی صاحب نے اس پیرا میں مرکزی حکومت و صوبائی حکومت وغیرہ کو اضطرابات کا ذمہ وار قرار دے کر اپنی جماعت کو ان اضطرابات سے بری الذمہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ جماعت جو فی الواقعہ بعض جگہوں پر جلسوں میں تقریریں بھی کرتی تھی۔ جلوسوں کی رہنمائی بھی کرتی تھی۔ فسادات کے لئے اکساتی بھی تھی۔ (جس کے لئے ہمارے پاس کافی مواد موجود ہے) مولانا مودودی صاحب کا دعویٰ ہے۔

کہ وہ جو کچھ صحیح سمجھتے ہیں۔ اس کو پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے۔ کہ ان کی جماعت نے راولپنڈی میں دھوکہ دیکر لوگوں سے جماعت احمدیہ کے خلاف دستخط کروائے۔ اور بعض سے دستخط کروانے کے بعد عبارت بڑھائی۔ لیکن باوجود اشتہاروں اور اخباروں کے ذریعہ سے اس جھوٹ کو ظاہر کرنے کے لئے مولانا مودودی صاحب نے آج تک ایک لفظ بھی ان لوگوں کے خلاف نہیں لکھا۔ جس کے معنی یہ ہیں۔ کہ مولانا مودودی صاحب اس جھوٹ اور فریب کی تائید میں تھے۔ اور ان کے مشورہ اور چشم پوشی کے ماتحت یہ کام ہوا۔

کیا مولانا مودودی صاحب اور ان کی جماعت پر فسادات کی ذمہ داری نہیں؟

اس پیرا میں مولانا مودودی صاحب نے اپنی جماعت کی بریت ثابت کرنے کے لئے یہ بھی لکھا ہے۔ کہ ہماری جماعت نے فسادات میں حصہ لینے سے لوگوں کو روک دیا تھا۔ ان کے یہ اعلانات کس کام کے جبکہ ان کی جماعت فسادات میں عملاً حصہ لیتی رہی۔ اور عنوان "قادیانی جماعت کے متعلق میرا اور جماعت اسلامی کا طرزِ عمل" میں انہوں نے جماعت اسلامی کے افراد کا ڈائرکٹ ایکشن کی تائید میں حصہ لینا خود بھی تسلیم کیا ہے۔ لیکن یہ امر کہ جنہوں نے حصہ لیا وہ انہیں اسلامی جماعت سے خارج کر دیا گیا۔ محتاج ثبوت ہے۔

(۲) خود مولانا مودودی صاحب نے ڈائرکٹ ایکشن کے آغاز سے پہلے ۱۳ جنوری ۵۳ء کو موچی دروازہ لاہور میں تقریر کرتے ہوئے اپنی جماعت کے ممبروں اور دوسرے مسلمانوں کو اپنا عندیہ ان الفاظ میں بتا دیا تھا:۔

"اگر یہی حال رہا۔ تو یہاں بھی قادیانی مسلم فسادات شروع ہو جائیں گے۔ جس طرح یہاں ہندو مسلم فسادات ہوا کرتے تھے۔" (کوثر یکم فروری ۵۳ء)

اس کا صاف یہ مطلب تھا۔ کہ اے مخاطبو! اگر حکومت تمہاری بات نہ مانے تو وہی کچھ کرنا شروع کر دینا۔ جو کہ ہندو مسلم فسادات کے زمانہ میں ہوا تھا۔ اس لئے مولانا مودودی صاحب فسادات کی ذمہ داری سے بری نہیں ہو سکتے۔ اور وہ اور ان کی جماعت اسی طرح ذمہ دار ہے۔ جس طرح جماعت احرار۔ مولانا مودودی صاحب نے اپنے مخاطبین کو یہ تلقین ۱۳ جنوری کو کی۔ جبکہ اخبار آزاد ۲۸ جنوری میں چودھری معراج الدین صاحب سالارِ اعظم رضاکارانِ احرار کا یہ اعلان شائع ہو چکا تھا۔ کہ مجلس عمل کے ڈائرکٹ ایکشن کے پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اس نے مجلس احرار کے پچاس ہزار سرفروش رضاکاروں اور صوبائی و ضلعی سالاروں کو حکم دیا ہے۔ کہ وہ تاج و تختِ ختم نبوت کے تحفظ کی خاطر ہر قسم کی جانی و مالی قربانی کے لئے تیار رہیں۔"

(۳) اور مولانا مودودی صاحب کی اور دیگر علماء کی ۱۳ جنوری کی تقریروں کا نتیجہ یہ ہوا۔

جن ہزاروں رضا کاروں نے مجلس عمل کو اپنی خدمات پیش کی۔ ان سے حلف ناموں پر خون سے دستخط کروائے گئے۔

یہ خبر اخبار آزاد نے اپنی اشاعت ۸ فروری ۵۳ئہ میں جلی الفاظ میں زیر عنوان "شمع رسالت کے ہزاروں پروانے مجلس عمل کے حلف ناموں پر خون سے دستخط کر رہے ہیں"۔ شائع کی ہے۔

مولانا مودودی صاحب کا مذکورہ بالا تقریر کا یقینی طور پر مخاطبین پر یہ اثر ہونا لازمی تھا۔ کہ انہیں ہندو مسلم فسادات کی طرح فسادات کرنے کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔ جس کے لئے انہوں نے بالفعل تیاری کی۔

(۴) جب ڈائرکٹ ایکشن کا وقت قریب آگیا۔ اور رضا کاروں کو جس غرض کے لئے تیار کیا گیا تھا۔ ان کی تیاری کو دیکھتے ہوئے مولانا مودودی صاحب کو یہ لکھنا پڑا۔ "جگہ جگہ پر جلسے کرکے لوگوں کو اس امر کا متوقع کر دیا گیا۔ کہ ۲۲ فروری گذرتے ہی ایک جنگ عظیم شروع ہو جائیگی۔ یہ توقعات پیدا کرکے عوام میں اس قدر جوش ابھار دیا گیا۔ کہ اب اگر کوئی جنگ نہ چھیڑی گئی۔ تو اصل مقصد کو نقصان پہنچ جانے کا اندیشہ ہے اگر جنگ چھیڑ دی گئی۔ (جس کے لئے اس وقت فضا ہرگز تیار نہیں ہے) تو نہ صرف اس امر کا اندیشہ ہے۔ کہ شکست ہو جائے گی۔ بلکہ پھر دوبارہ اس مقصد کے لئے کام کرنا بھی مشکل ہو جائے گا۔" (یہ گرفتاریاں کیوں ص۲۷)

مولانا مودودی صاحب کی یہ تحریر ۲۲ فروری ۱۹۵۳ئہ کی ہے۔ جس میں آپ نے یہ تسلیم کیا ہے۔ کہ لوگوں میں اس درجہ کا جوش پیدا کر دیا تھا۔ کہ اب اگر کوئی جنگ نہ چھیڑی گئی۔ تو اصل مقصد کو نقصان پہنچے گا۔

اس سے ظاہر ہے۔ کہ مولانا مودودی صاحب اس جنگ کے مخالف نہیں تھے۔ بلکہ مذکورہ بالا الفاظ میں یہ اشارہ کیا ہے۔ کہ اگر اس وقت جنگ نہ شروع کی گئی۔ تو مقصد کو نقصان پہنچے گا۔ اور دوسری طرف اسی شبہ کا بھی آپ نے اظہار کیا ہے۔ کہ اگر اس وقت جنگ چھیڑ دی گئی۔ تو شکست ہو جائیگی۔ اور پھر دوبارہ اس مقصد کے لئے کام کرنا بھی مشکل ہو جائے گا۔ کیونکہ اس جنگ کے لئے فضا ہرگز تیار نہیں ہے۔

اس سے ظاہر ہے۔ کہ مولانا مودودی صاحب کے نزدیک جو جنگ ہوئی وہ ٹھیک تھی۔ صرف اس کا وقت غلط تھا۔ لیکن ان کے نزدیک باوجود ناکامی کے خطرہ کے مطالبات تسلیم نہ کئے جانے کی صورت میں جنگ کرنا ضروری تھا۔

ان تحریروں کی موجودگی میں مولانا مودودی صاحب ان فسادات کی ذمہ داری سے کس طرح بری ہو سکتے ہیں۔

(۵) پانچویں وجہ اس امر کی کہ مولانا مودودی صاحب فسادات کرانے میں شریک اور حصہ دار تھے۔ اور وہ چاہتے تھے کہ فسادات اور بڑھیں۔ یہ ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب "قادیانی مسئلہ" کی اشاعت ۵ مارچ کو ایسے وقت میں کی۔ جبکہ مظاہرین انتہائی طور پر مشتعل تھے۔ اور آتش زنی۔ قتل اور لوٹ مار کی وارداتیں کر رہے تھے ایسے حالات میں مولانا مودودی صاحب کا اس کتاب کو شائع کرنا یقیناً مشتعل آگ پر تیل ڈالنا تھا۔ کیونکہ جو مسائل "قادیانی مسئلہ" میں مولانا مودودی صاحب نے ذکر کئے ہیں۔ وہ وہی ہیں جن کے متعلق آپ نے اپنے بیان کے پیرا ۳۱، ۶۲ و پیرا ۱۹ میں لکھا ہے۔ کہ ان مسائل کی وجہ سے مسلمان احمدیوں سے ناراض تھے۔ اور ان کے خلاف مشتعل تھے۔ اور بقول ان کے مسلمانوں کے لئے قادیانیت ایک تلخ مسئلہ تھا۔ جس کی تلخی کو شہروں اور دیہات کے لاکھوں آدمی یکساں محسوس کر رہے تھے۔

اور اپنڈکس ۲ میں مولانا مودودی صاحب لکھتے ہیں:۔

"قادیانیوں کے بارے میں مسلمانوں کے جذبات کی تلخی اتنی بڑھ چکی تھی۔ کہ وہ صبر نہ کر سکے۔ اور انہوں نے اپنا معاملہ ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں دے دیا جو کسی تحریک کو بھی نظم۔ تدبر۔ جرأت۔ اور استقلال سے چلانے کی اہلیت نہیں رکھتے۔" اور پیرا ۱۰ کے ماتحت لکھتے ہیں:۔ "عوام کے اندر قادیانی مسئلہ کے بارے میں اتنی بے چینی موجود تھی۔ کہ اسے ایک فتنہ بننے کے لئے بس کسی کے چھیڑ دینے کی ضرورت تھی۔"

اگر مولانا مودودی صاحب کے یہ بیانات درست ہیں۔ تو رسالہ موسومہ "قادیانی مسئلہ" کا جو انہی مسائل پر مشتمل تھا۔ جو مسلمانوں کو احمدیوں کے خلاف غصہ اور اشتعال دلانے والے تھے۔ عین فسادات کے موقعہ پر ہزاروں کی تعداد میں شائع کرانا ان کو فسادات کی ذمہ داری سے بری نہیں، بلکہ مجرم ثابت کرتا ہے۔ اور اسکی اشاعت پر حکومت کا اعتراض کرنا بجا اور درست تھا۔ رہی یہ بات کہ جو کچھ قادیانی مسئلہ میں لکھا گیا۔ وہ کہاں تک حق بجانب تھا اور ہے یہ ایک مستقل موضوع ہے۔ جس کا جواب دیا جائے گا۔

(۶) مجلس عمل کے زیر اہتمام یکم فروری کو جو جلسہ موچی دروازہ لاہور میں منعقد ہوا۔ اس میں مجلس عمل کے ارکان نے جو تقریریں کیں۔ ان میں صدر مجلس احرار ماسٹر تاج الدین انصاری نے مجلس عمل کی طرف سے یہ اعلان کیا:۔

"مجلس عمل کہتی ہے۔ کہ ظفر اللہ کو ہٹا دو۔ یا اپنی کرسیاں بھی خالی کر دو۔" (زمیندار ۳ر فروری ۱۹۵۳ء کالم اول)

صاحبزادہ فیض الحسن نے مسجد وزیر خاں لاہور میں تقریر کرتے ہوئے کہا۔ "حکومت کو ۲۲ فروری تک مہلت دی گئی تھی۔ مگر حکومت نے یہ مطالبات تسلیم نہیں کئے ہیں۔ خواجہ صاحب اب ایک صورت ہے۔ اس ملک میں یا ہم رہیں گے یا مرزائیت اب جو بھی مرزائیوں کی حمایت کرے گا۔ اس کا حشر وہی ہوگا۔ جو مرزائیوں کا ہوگا۔"

نیز آپ نے تقریر میں کہا:۔

"آج خواجہ ناظم الدین باغیان محمد عربی کی حمایت کر رہے ہیں۔ جو محمد عربی کا باغی ہے۔ ہم اس کے باغی ہیں اس کے احکام کی ہم قطعاً پرواہ نہیں کریں گے۔"

(آزاد ۲۵ر فروری ۱۹۵۳ئہ ص۶)

اور ماسٹر تاج الدین انصاری نے چنیوٹ میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ

"ہم نے حکومت کو ایک ماہ کی مہلت اور دی ہے۔ اگر ایک ماہ کے بعد بھی حکومت نے نوٹس نہ لیا۔ تو پھر ہم خود ہاتھ پاؤں ماریں گے۔ اور جہاں ہمارا ہاتھ پہنچے گا۔ اس چیز کو پکڑ لیں گے۔ خواہ ناظم الدین کا گریبان ہے۔ یا کسی اور کا۔" (آزاد ۱۶ر جنوری ۱۹۵۳ئہ ص۱ کالم ۳)

ان بیانات میں جن ارادوں کا مجلس عمل کے احراری ممبروں نے اظہار کیا ہے۔ اس سے ظاہر ہے۔ کہ اگر حکومت نے مطالبات تسلیم نہ کئے۔ تو وہ ہر چیز کر گذریں گے۔ جو ان کی طاقت میں ہے۔ جہاں تک کہ حکومت کو بھی بدل ڈالیں گے۔

اور بعینہٖ یہی غرض جماعت اسلامی کے قیام کی ہے۔ چنانچہ جماعت اسلامی کے رکن نعیم صدیقی صاحب لکھتے ہیں:۔

"انقلاب قیادت کی داعی ہونے کی حیثیت سے جماعت کی دینی ذمہ داری یہ بھی ہے۔ کہ وہ فاسد قیادت کو صالح قیادت سے بدلے۔ وہ اپنے لئے کسی طرح اس بات کو جائز نہیں سمجھتی۔ کہ زندگی کے سارے معاملات فاسقین کے ہاتھوں میں رہیں۔ اور وہ صالحین کو اپنے ساتھ جمع کرکے ایک گوشہ اخمول میں پڑی رہے۔"

(ترجمان القرآن جلد ۳۴ ع ۱/۲ ص۸۴ از مولانا نعیم صدیقی)

اور مولانا مودودی صاحب اور ان کی جماعت کے نزدیک غیر صالح قیادت مسلم لیگ کی قیادت ہے۔ جیسا کہ ان کی مجلس شوریٰ کی قرار داد مورخہ ۸ر جولائی ۱۹۵۲ئہ میں مسلم لیگ کو غیر صالح قیادت قرار دے کر لکھا ہے:۔

"کہ مسلم لیگی قیادت کو ہٹائے بغیر یہ فتنہ اور صرف یہی ایک فتنہ نہیں کوئی بھی اخلاقی یا اعتقادی فتنہ کیسے مٹایا جا سکتا ہے۔"

ملاحظہ ہو اپنڈکس ۱ تحریری بیان مولانا مودودی صاحب) جناب مولانا مودودی صاحب کی جماعت کا مطمح نظر فاسد قیادت کو صالح قیادت سے بدلنا ہے۔ اور جس کے ساتھ انہوں نے اشتراک عمل کیا۔ ان کا بھی مقصد بھی مطالبات تسلیم نہ کئے جانے کی صورت میں موجودہ حکومت کا تبدیل کرنا تھا۔ تو یہ کیونکر تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ کہ مودودی صاحب اور ان کی پارٹی ان فسادات سے علیحدہ رہے ہونگے۔ جن سے ان کا مقصد پیدا ہوتا ہوا نظر آرہا تھا۔

جماعت اسلامی کی تشکیل کی وجہ اور اس کا نصب العین

آخر میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جماعت اسلامی کی تشکیل اور اس کے نصب العین اور ایک دو اور ضروری امور کا مختصر طور پر ذکر کر دیا جائے۔

۱۔ جماعت اسلامی کی تشکیل کی وجہ:۔

(ا) مسلمانوں کی جماعتوں میں سے کوئی جماعت اسلامی نصب العین کے لئے اسلامی طریقہ پر کام نہیں کر رہی۔ (حوالہ ۱)

(ب) مسلمانوں کی موجودہ تمام دعوتیں اور طریقہ ہائے کار سراسر باطل ہیں۔ (حوالہ ۲)

(ج) مسلمانوں کی موجودہ مذہبی و سیاسی تحریکیں اور قیادتیں اسلام کے اصل منشاء کو پورا نہیں کر سکتیں۔ (حوالہ ۳)

(د) مسلمانوں کی مختلف جماعتیں کا سواد اور ان کے سیاسی اور مذہبی رہنما اپنے نظریہ کے لحاظ سے یکساں گمراہ ہیں۔ اور ان کی کوششیں اسی طرح ضائع ہو جائیں گی جس طرح کہ خدا تعالیٰ کی آیات کا کفر اور اُن کا استہزاء کرنے والوں کی جن کی سزا جہنم ہوگی۔ (حوالہ ۴)

(ر) مودودی صاحب کی جماعت کا نظام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم کردہ جماعت کا نظام ہے۔ اور صرف یہی صالحین کی جماعت ہے۔ (حوالہ ۵)

حوالجات نمبروار حسب ذیل ہیں

(۱) مولانا مودودی صاحب یہ لکھ کر کہ مسلمانوں کی بڑی بڑی جماعتوں میں کوئی ایسی جماعت نہیں ہے جو صحیح معنوں میں اسلامی جماعت ہو۔ اور اسلامی نصب العین کے لئے اسلامی طریقہ پر کام کر رہے تحریر فرماتے ہیں:۔

"اس لئے ہمارے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہا کہ ان لوگوں کو جمع کریں۔ جو موجودہ جماعتوں کے طرز عمل سے غیر مطمئن اور صحیح اسلامی اصولوں پر کام کرنے کے خواہشمند ہیں چنانچہ شعبان ۱۳۶۰ئہ ھ اگست ۱۹۴۱ئہ میں ہم نے ان لوگوں کا اجتماع منعقد کیا۔ اور باہمی مشورے سے جماعت اسلامی قائم کی۔ (مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش زیر عنوان جماعت اسلامی کی تشکیل ص۱۶۷)

(۲) مودودی صاحب انبیاء کے طریقہ کار معہود مثال ذکر کرکے لکھتے ہیں:۔

"اس طریقہ کار کو ہم نے اختیار کیا ہے۔ اور ہمارا ایمان ہے کہ اس ایک دعوت اور طریق کار کے علاوہ دوسری دعوتیں اور طریقہ ہائے کار سراسر باطل ہیں۔" (روئیداد جماعت اسلامی حصہ سوم ص۱۱)

(۳) مودودی صاحب یہ یقین دلاتے ہوئے کہ موجودہ مسلمانوں کی مذہبی و سیاسی تحریکوں اور قیادتوں میں سے ایک بھی مسلمانوں کے مرض کا صحیح علاج نہیں۔ اور نہ اسلام کے اصل منشاء کو پورا کرنے والی ہیں۔ اور صدیوں تک بھی کام کریں۔ تو بھی نظام زندگی میں حقیقی انقلاب نہیں پیدا کر سکتیں لکھتے ہیں:۔

"حقیقی انقلاب اگر کسی تحریک سے رونما ہو سکتا ہے۔ تو وہ صرف یہی یہ تحریک ہے۔" (روئیداد جماعت اسلامی حصہ سوم ص۶۵-۶۶)

(۴) مولانا مودودی صاحب فرماتے ہیں:۔

"اس وقت ہندوستان میں مسلمانوں کی مختلف جماعتیں اسلام کے نام سے کام کر رہی ہیں۔ اگر فی الواقع اسلام کے معیار پر ان کے نظریات۔ مقاصد اور کارناموں کو پرکھا جائے تو سب کی سب جنس کاسد نکلیں گی۔ خواہ مغربی

تعلیم و تربیت پائے ہوئے سیاسی لیڈر ہوں۔ یا علماء دین و مفتیان شرع متین دونوں قسم کے راہنما اپنے نظریہ اور اپنی پالیسی کے لحاظ سے یکساں گم کردہ راہ ہیں۔ دونوں حق سے ہٹ کر تاریکیوں میں بھٹک رہے ہیں۔ .... ان میں کسی کی نظر بھی مسلمان کی نظر نہیں۔

اولئک الذین کفروا بایات ربہم
ذالک جزاءھم جہنم بما کفروا
واتخذوا ایاتی ورسلی ھزوا

(سیاسی کشمکش حصہ سوم صلا)

(۸) مولانا مودودی صاحب فرماتے ہیں:۔
"ہم ٹھیک وہی نظام جماعت اختیار کر رہے ہیں جو شروع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم کردہ جماعت کا تھا۔ .... اور ہم ہر مسلمان کہلانے والے کو نہیں لیں گے بلکہ مسلمان قوم میں سے صرف صالح عنصر ہی چھانٹ کر جماعت میں آئے گا۔ اور جو صالح بنتا جائے گا اس جماعت میں داخل ہوتا جائے گا۔" (روئداد جماعت اسلامی حصہ اول ص)

۲۔ جماعت اسلامی کا نصب العین

(ا) حکومت کے اقتدار پر قبضہ کرنا (حوالہ نمبر ۱)

(ب) دنیا سے ظلم، فتنہ و فساد، بد اخلاقی اور ناجائز انتفاع کو بزور مٹانا۔ اور حکومت کے اقتدار پر قبضہ کرنا۔ (حوالہ نمبر ۲)

(ج) غلط کار لوگوں کے ہاتھ سے اقتدار چھین کر صحیح اصول اور صحیح طریقے کی حکومت قائم کرنا (حوالہ ۳)

(د) خدا کے باغیوں کو بذریعہ جنگ حکومت سے بے دخل کرنا اور خود حکمران بننا۔ (حوالہ نمبر ۴)

(ر) دنیا کی تمام غیر اسلامی حکومتوں کو مٹا کر اسلامی حکومت قائم کرنا (حوالہ ۵)

(س) اپنی طاقت منظم کر کے ملک کے اندر بزور شمشیر انقلاب پیدا کرنا۔ اور حکومت پر قبضہ کرنا (حوالہ نمبر ۶)

(از مولوی امین احسن اصلاحی)

(ص) یہ اقتدار حاصل کرنے کی جنگ دنیا کی تمام حکومتوں سے کرنا کیونکہ کسی جگہ بھی حکومت الٰہیہ قائم نہیں۔ اور سب حکومتیں بشمول پاکستان اسلامی نہیں۔ کیونکہ جمہوریت کے اصول پر قائم ہیں (حوالہ ۷)

(ط) مسلم لیگی حکومت کے ارباب اقتدار میں ننانوے فی صدی بد دیانت ناقابل اعتماد ہیں (حوالہ ۸)

(ع) مسلم لیگی قیادت کے ہٹائے بغیر کسی اخلاقی یا اعتقادی فتنہ کو مٹایا نہیں جا سکتا (حوالہ ۹)

(ف) ساری مسلم لیگی لیڈرشپ کو بدلنا ہی ہمارا مقصد ہے (حوالہ ۱۰)

(ک) موجودہ مسلم لیگی حکومت۔ جماعت اسلامی مولوی نعیم صدیقی فرماتے ہیں کہ صالحین کی جماعت کی یہ دینی ذمہ داری ہے کہ وہ فاسد قیادت کو صالح قیادت سے بدلے (حوالہ ۱۱)

(م) مودودی صاحب کے اخبار تسنیم کا لکھنا کہ گورنر جنرل کے منصب کا مستحق مودودی صاحب ہیں (حوالہ ۱۲)

حوالہ جات حسب ذیل ہیں:۔

(۱) انقلابی پارٹی جس کا نام قرآن میں حزب اللہ ہے۔ اور دوسرا نام اس کا اسلامی جماعت ہے۔ اس کا ذکر کر کے مولانا مودودی صاحب لکھتے ہیں:۔
"اس پارٹی کے لئے حکومت کے اقتدار پر قبضہ کئے بغیر چارہ نہیں ہے۔ کیونکہ مفسدانہ نظام تمدن ایک فاسد حکومت کے بل پر ہی قائم ہوتا ہے۔ اور ایک صالح نظام تمدن اس وقت تک کسی طرح قائم ہو ہی نہیں سکتا۔ جب تک کہ حکومت مفسدین سے مسلوب ہو کر مصلحین کے ہاتھ میں آ جائے۔" (تفہیمات ص)

(۲) مولانا مودودی صاحب لکھتے ہیں:۔
"یہ مذہبی تبلیغ کرنے والے واعظین اور مبشرین کی جماعت نہیں ہے۔ بلکہ خدائی فوجداروں کی جماعت ہے۔ (لتکونوا شھداء علی الناس) اور اس کا کام یہ ہے۔ کہ دنیا سے ظلم، فتنہ، فساد، بد اخلاقی، طغیان اور ناجائز انتفاع کو بزور مٹا دے۔ "ارباباً من دون اللہ" کی خداوندی کو ختم کر دے۔ اور بدی کی جگہ نیکی قائم کرے .... لہذا اس پارٹی کے لئے حکومت کے اقتدار پر قبضہ کئے بغیر کوئی چارہ نہیں۔"
(تفہیمات زیر عنوان "جہاد کی ضرورت اور اس کی غایت" ص)

(۳) مولانا مودودی صاحب فرماتے ہیں۔
"اصلاح خلق کی کوئی سکیم بھی حکومت کے اختیارات پر قبضہ کئے بغیر نہیں چل سکتی۔ جو کوئی حقیقت میں خدا کی زمین سے فتنہ و فساد کو مٹانا چاہتا ہو۔ اور واقعی یہ چاہتا ہو۔ کہ خلق خدا کی اصلاح ہو۔ تو اس کے لئے محض واعظ اور ناصح بن کر کام کرنا فضول ہے۔ اسے اٹھنا چاہیئے۔ اور غلط اصول کی حکومت کا خاتمہ کر کے غلط کار لوگوں کے ہاتھوں سے اقتدار چھین کر صحیح اصول اور صحیح طریقے کی حکومت قائم کرنی چاہیئے۔"
(حقیقت جہاد زیر عنوان "جہاد کا مقصد" مولفہ سید ابو الاعلیٰ مودودی مطبوعہ تاج کمپنی)

(۴) مولانا مودودی صاحب ان لوگوں کا ذکر کر کے جو عبادتوں کے ذریعہ تربیت حاصل کرتے ہیں لکھتے ہیں تب اسلام ان سے کہتا ہے
"اب تم روئے زمین پر خدا کے سب سے زیادہ صالح بندے ہو۔ لہذا آگے بڑھو۔ اور خدا کے باغیوں کو حکومت سے بے دخل کر دو۔ اور حکمرانی کے اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لو۔"
(حقیقت جہاد زیر عنوان جہاد کا مقصد)

(۵) رسالہ "حقیقت جہاد" میں زیر عنوان "عالمگیر انقلاب" مودودی صاحب لکھتے ہیں:۔
"کوئی ایک مملکت بھی اپنے اصول و مسلک کے مطابق پوری طرح عمل نہیں کر سکتی جب تک کہ ہمسایہ ممالک میں بھی وہی اصول و مسلک نہ رائج ہو جائے۔ لہذا مسلم پارٹی کے لئے اصلاح عمومی اور تحفظ خود اختیاری دونوں کی خاطر یہ ناگزیر ہے۔ کہ کسی ایک خطہ میں اسلامی نظام حکومت قائم کرنے پر اکتفا نہ کرے۔ بلکہ جہاں تک اس کی قوتیں ساتھ دیں اس نظام کو تمام اطراف میں وسیع کرنے کی کوشش کرے۔ وہ ایک طرف اپنے افکار و نظریات کو دنیا میں پھیلائے گی۔ اور تمام ممالک کے باشندوں کو دعوت دے گی۔ کہ اس مسلک کو قبول کریں۔ جس میں ان کے لئے حقیقی فلاح مضمر ہے۔ دوسری طرف اگر اس میں طاقت ہو گی۔ تو وہ لڑ کر غیر اسلامی حکومتوں کو مٹا دے گی۔ اور ان کی جگہ اسلامی حکومت قائم کرے گی۔"

(۶) مودودی صاحب کے دست راست امین احسن اصلاحی صاحب لکھتے ہیں۔
"اگر کوئی حکومت دستور اسلامی کی ایسی صریح خلاف ورزی کرے۔ جس کی کوئی تاویل ممکن نہ ہو۔ اور رعایا صالحین کا گروہ منظم ہو۔ ان کے پاس طاقت موجود ہو۔ اور اہل ملک کی عظیم اکثریت ان کے ساتھ ہو۔ یا کم از کم ظن غالب ہو۔ کہ عملی جد و جہد شروع ہوتے ہی اکثریت ان کا ساتھ دے گی۔ تو اس صورت میں بلاشبہ صالحین کی جماعت کو نہ صرف حق حاصل ہے۔ بلکہ ان کے اوپر یہ شرعی فرض ہے۔ کہ وہ اپنی طاقت منظم کر کے ملک کے اندر بزور شمشیر انقلاب پیدا کریں۔ اور حکومت پر قبضہ کر لیں۔"
(اسلامی ریاست مؤلفہ مولانا امین احسن اصلاحی ص)

(۷) مولانا مودودی صاحب اور ان کی جماعت کے نزدیک دنیا کی تمام حکومتیں غیر اسلامی ہیں کیونکہ جمہوریت کے اصول پر قائم ہیں۔ پاکستان اور دیگر اسلامی حکومتوں کا ذکر کر کے اپنے معترضین کو جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔
"ان کا خیال بالکل غلط ہے۔ کہ مسلم اکثریت کے صوبوں میں حاکمیت جمہور کے اصول پر خود مختار حکومت کا قیام آخر کار حاکمیت رب العالمین کے قیام میں مددگار ہو سکتا ہے۔ جیسی مسلم اکثریت اس مجوزہ پاکستان میں ہے۔ ویسی ہی بلکہ عددی حیثیت سے بہت زیادہ زبردست اکثریت افغانستان۔ ایران عراق۔ ترکی اور مصر میں موجود ہے۔ اور وہاں اسی کو وہ پاکستان حاصل ہے۔ جس کا یہاں مطالبہ کیا جا رہا ہے۔ پھر کیا وہاں مسلمانوں کی خود مختار حکومت کسی درجہ میں بھی حکومت الٰہیہ کے قیام میں مددگار ہے۔ یا ہوتی نظر آتی ہے؟ مددگار ہونا تو درکنار میں پوچھتا ہوں۔ کیا آپ وہاں حکومت الٰہی کی تبلیغ کر کے پھانسی یا جلاوطنی سے کم کوئی سزا پانے کی امید کر سکتے ہیں۔ ....
...... جو لوگ یہ گمان کرتے ہیں۔ کہ اگر مسلم اکثریت کے علاقے ہندو اکثریت کے تسلط سے آزاد ہو جائیں۔ اور یہاں جمہوری نظام قائم ہو جائے۔ تو اس طرح حکومت الٰہی قائم ہو جائے گی۔ ان کا گمان غلط ہے۔ دراصل اس کے نتیجہ میں جو کچھ حاصل ہو گا۔ اس کا نام حکومت الٰہیہ رکھنا اس پاک نام کو ذلیل کرنا ہے۔ ...... جب صورت معاملہ یہ ہے تو کیا وہ شخص نادان نہیں ہے۔ جو اسلامی انقلاب کا نصب العین سامنے رکھ کر ایسی جمہوری حکومت کے قیام کی کوشش کرے۔ جو ہر کا فرانہ حکومت سے بڑھ چڑھ کر اس کے مقصد میں حائل ہو گی۔"
(مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ سوم ص ۱۰۶-۱۰۸)

(۸) مولانا مودودی صاحب فرماتے ہیں:۔
"ہماری قوم نے اپنے لیڈروں کے انتخاب میں غلطی کی تھی اور اب یہ غلطی نمایاں ہو کر سامنے آگئی۔ .... ہمارے ارباب اقتدار میں سے ننانوے فی صدی بد دیانت اور ناقابل اعتماد نکلے ہیں۔" (کوثر یکم اپریل ۱۹۴۸ء)

(۹) مولانا مودودی صاحب اور ان کی جماعت کے نزدیک مسلم لیگی قیادت غیر صالح ہے۔ جیسا کہ ان کی مجلس شوریٰ کی قرارداد مورخہ ۸ جولائی ۱۹۵۲ء میں لکھا ہے
"مسلم لیگی قیادت کو ہٹائے بغیر یہ فتنہ اور صرف یہی ایک فتنہ نہیں۔ کوئی بھی اخلاقی یا اعتقادی فتنہ کیسے مٹایا جا سکتا ہے۔" (اپنڈکس ۱ تحریری بیان مولانا مودودی صاحب)

(۱۰) مولانا مودودی صاحب مسلم لیگی لیڈرشپ کے متعلق لکھتے ہیں:۔
"اس ساری لیڈرشپ کو بدلنا ہمارا مقصد ہے۔ نہ کہ کسی فرد کو یا کسی کیبنٹ کے چند وزراء کو ...... آخر یہ کیسے ممکن ہے۔ کہ کتاب و سنت کا علم کسی طرح ان کے سینوں میں بھر دیا جائے ...... ان کے ذہن میں اسلامی نظام کے مختلف مسائل کوٹ کوٹ کر بھر دیئے جائیں۔"
ترجمان القرآن جلد ۲۲ عدد ۱ ص ۸۳

(۱۱) مولوی نعیم صدیقی صاحب لکھتے ہیں:۔
"انقلاب قیادت کی داعی ہونے کی حیثیت سے جماعت کی دینی ذمہ داری یہ بھی ہے۔ کہ وہ فاسد قیادت کو صالح قیادت سے بدلے۔ وہ اپنے لئے کسی طرح اس بات کو جائز نہیں سمجھتی۔ کہ زندگی کے سارے معاملات فاسقین کے ہاتھوں میں رہیں۔ اور وہ صالحین کو اپنے ساتھ جمع کر کے ایک گوشہ خمول میں پڑی رہے۔"
(ترجمان القرآن جلد ۳۲ عدد ۱ ص ۸)

(۱۲) اخبار تسنیم نے لکھا:۔

"مجھے افسوس ہے کہ پاکستان میں بلکہ دنیائے اسلام میں قانون کا سب سے بڑا ماہر جس کا منصب یہ تھا کہ اسے پاکستان کا گورنر جنرل بنایا جائے۔ آج آہنی سلاخوں میں بند ہے۔ میری مراد علامہ مودودی سے ہے"

(تسنیم بحوالہ الفضل ۱۵ جون ۱۹۴۹ء)

۳۔ غیر الٰہی اور جمہوری حکومتوں کی عدالتوں کی حیثیت

جب مولانا مودودی صاحب اور ان کی جماعت کے نزدیک دنیا کی تمام حکومتیں اور ریاستیں غیر صالح ہوئیں۔ اور ان کا بدلنا ضروری ہے۔ تو اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان جمہوری حکومتوں کے تحت رہنے والے مسلمان اپنے جھگڑوں کا فیصلہ کرانے کے لئے ان کی عدالتوں کی طرف رجوع کریں یا نہ اور ان کے فیصلوں اور احکام کی تعمیل کریں یا نہ کریں۔

مولانا مودودی صاحب کے نزدیک غیر اسلامی اور جمہوری حکومتوں کے فیصلے اور ان کے جملہ احکام کالعدم اور غیر مسلم ہیں۔ اور اسلامی قانون کی نگاہ میں ان کا پورا عدالتی نظام مجرمانہ اور باغیانہ ہے اس کے جج اس کے کارکن اس کے وکیل اور فیصلہ کرنے والے سب مجرم ہیں۔ خواہ فیصلہ کرنے والا جج مسلمان ہو شرعی حکم کے مطابق فیصلہ کیوں نہ کرے۔ کیونکہ ان کا مسلمان جج بھی کم از کم جج کی حیثیت سے مسلمان نہیں ہے۔

حوالہ۔ مولانا مودودی صاحب ایک استفتا کے جواب میں (جو ایسی عدالتوں کے نکاح و طلاق کے فیصلہ کرنے کے متعلق ہیں) فرماتے ہیں۔

"صرف نکاح و طلاق ہی کے معاملہ میں نہیں بلکہ جملہ معاملات میں غیر اسلامی عدالت کا فیصلہ اسلامی شریعت کی رو سے غیر مسلم ہے۔ . . . . . . اسلامی نقطہ نظر سے ایسی عدالتوں کی حیثیت وہی ہے۔ جو انگریزی قانون کی رو سے ان عدالتوں کی قرار پاتی ہے۔ جو برطانوی سلطنت کی حدود میں "تاج" کی اجازت کے بغیر قائم کی جائیں ان عدالتوں کے جج ان کے کارندے اور وکیل اور ان سے فیصلہ کرانے والے جس طرح انگریزی قانون کی نگاہ میں باغی و مجرم اور مستلزم سزا ہیں۔ اسی طرح اسلامی قانون کی نگاہ میں وہ پورا عدالتی نظام مجرمانہ و باغیانہ ہے۔ جو بادشاہ ارض و سما کی مملکت میں اس کے سلطان "چارٹر" کے بغیر قائم کیا گیا ہو۔ ایسا نظام عدالت جرم مجسم ہے۔ اور اس کے جج مجرم ہیں۔ اس کے کارکن مجرم ہیں۔ اس کے وکیل مجرم ہیں۔ اس کے سامنے معاملات لے جانے والے فریقین مجرم ہیں اور اسکے جملہ احکام قطعی طور پر کالعدم ہیں اگر ان کا فیصلہ کسی خاص معاملہ میں شریعت اسلامی کے مطابق ہو۔ تب بھی وہ فی الاصل غلط ہے۔ کیونکہ بغاوت اس کی جڑ میں موجود ہے۔ بالفرض اگر وہ چور کا ہاتھ کاٹیں زانی پر کوڑے یا رجم کی سزا نافذ کریں۔ شرابی پر حد جاری کریں۔ تب بھی شریعت کی نگاہ میں چور زانی اور شرابی اپنے جرم میں اس سزا کی بناء پر پاک نہ ہوں گے۔ اور خود یہ عدالتیں بغیر کسی حق کے ایک شخص کا ہاتھ کاٹنے یا اس پر کوڑے یا پتھر برسانے کی مجرم ہوں گی

ان عدالتوں کی یہ شرعی حیثیت اس صورت میں بھی علیٰ حالہ قائم رہتی ہے۔ جبکہ غیر مسلم کی بجائے کوئی نام نہاد مسلمان ان کی کرسی پر بیٹھا ہو خدا کی باغی حکومت سے فیصلہ نافذ کرانے کے اختیارات لے کر جو شخص مقدمات کی سماعت کرتا ہے۔ اور جو انسانوں کے بنائے ہوئے قانون کی رو سے احکام جاری کرتا ہے۔ وہ کم از کم جج کی حیثیت سے تو مسلمان نہیں ہے۔ بلکہ خود باغی کی حیثیت رکھتا ہے۔ پھر بھلا اس کے احکام کالعدم ہونے سے کس طرح محفوظ رہ سکتے ہیں

یہی قانونی پوزیشن اس صورت میں بھی قائم رہتی ہے۔ جبکہ حکومت جمہوری ہو اور اس میں مسلمان شریک ہوں۔ خواہ مسلمان کسی جمہوری حکومت میں قلیل التعداد ہوں یا کثیر التعداد یا وہ ساری آبادی مسلمان ہو جس میں جمہوری لادینی اصول پر نظام حکومت قائم کیا ہے۔ . . . . . . ایسی جمہوری حکومت کے تحت جو عدالتیں قائم ہوں گی خواہ ان کے جج قومی حیثیت سے مسلمان ہوں یا غیر مسلم ان کے فیصلے بھی اسی طرح کالعدم ہوں گے جس طرح کہ صورت اول و دوم میں بیان کئے گئے ہیں۔

(ایک نہایت اہم استفتا از سید ابوالاعلیٰ مودودی صفحہ ۷۔۱۲)

پھر آپ غیر الٰہی حکومتوں کی عدالتوں کے فیصلوں کو خنزیر کی حرمت سے تشبیہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"یہ سوال کرنا کہ فسخ نکاح اور تفریق بین الزوجین اور ایقاع طلاق کے بارے میں غیر الٰہی عدالتوں کا فیصلہ نافذ ہوتا ہے یا نہیں؟ اسلام سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ اور اس سے زیادہ ناواقفیت کی دلیل یہ ہے کہ سوال صرف غیر مسلم ججوں کے بارے میں کیا جائے۔ گویا سائل کے نزدیک جو نام کے مسلمان غیر الٰہی نظام عدالت کے پرزوں کی حیثیت سے کام کر رہے ہوں۔ ان کا فیصلہ تو نافذ ہو ہی جاتا ہوگا۔ حالانکہ خنزیر کے جسم کی بوٹی کا نام "بکرے کی بوٹی" رکھ دینے سے نہ تو وہ بوٹی فی الواقعہ بکرے کی بوٹی بن جاتی ہے۔ اور نہ حلال ہی ہو سکتی ہے"۔

(استفتائے ضروری صفحہ ۱۵)

۴۔ مسلمانوں کی حالت غیر الٰہی حکومتوں کے ماتحت

مولانا مودودی صاحب فرماتے ہیں۔

"اس میں شک نہیں کہ اسلام کے اس اصل الاصول کو تسلیم کرنے کے بعد غیر الٰہی حکومت کے تحت مسلمانوں کی زندگی مشکل ہو جاتی ہے۔ لیکن مسلمانوں کی زندگی کو آسان کرنے کے لئے اسلام کے اولین بنیادی اصول میں ترمیم نہیں کی جا سکتی۔

مسلمان اگر غیر الٰہی حکومتوں کے اندر رہنے کی آسانی چاہتے ہیں تو انہیں اصول اسلام میں ترمیم کرنے یا بالفاظ دیگر اسلام کو غیر اسلام بنانے کا اختیار حاصل نہیں ہے البتہ مرتد ہونے کا موقعہ ضرور حاصل ہے۔ کوئی چیز یہاں ارتداد سے مانع نہیں . . . . صرف ایک راستہ ان کے لئے کھلا ہوا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جہاں بھی وہ ہوں حکومت کے نظریہ کو بدلنے اور حکمرانی کو درست کرنے کی سعی میں اپنی پوری قوت صرف کر دیں"۔

(استفتائے ضروری صفحہ ۱۶)

اس فتوے سے ظاہر ہے کہ مولانا مودودی صاحب کے نزدیک درحقیقت مسلمان کے لئے جب تک کہ دنیا میں حکومت الٰہیہ قائم نہ ہو۔ اس روئے زمین پر ایک پُر امن وفادار شہری کی حیثیت سے رہنے کی گنجائش نہیں۔ ان کے لئے ایک صورت تو یہ ہے کہ وہ موجودہ حالات میں کسی دوسری دنیا میں ہجرت کر جائیں یا دنیا کی حکومتوں کے باغی ہو کر ان سے جنگ شروع کر دیں۔ یا منافق بن کر رہیں۔ اور کوئی صورت مولانا مودودی صاحب کے فتوے کے مطابق مسلمانوں کے اس دنیا میں زندہ رہنے اور پھلنے پھولنے کی نہیں ہے

۵۔ مولانا مودودی صاحب کی مجوزہ حکومت میں قانونِ آزادی

مولانا مودودی صاحب جس اسلامی حکومت کو قائم کرنا چاہتے ہیں۔ اس میں کسی غیر مسلم اور غیر صالح مسلمان کا اپنے مذہبی خیالات و افکار کا اظہار بغاوت کے مترادف ہوگا۔ اور اسی طرح جماعت اسلامی کی مخالف جماعتیں جب اپنے خاص اسلامی خیالات کا اظہار کریں گی۔ تو وہ بھی باغی ہوں گی۔ اور ان کی سزا قتل ہوگی۔ چنانچہ آپ سے ایک شخص نے ۱۹۴۵ء میں سوال کیا۔

"کیا اسلامی ریاست میں ایک قادیانی اپنے مذہب کی تبلیغ کر سکے گا"۔

آپ نے جواب دیا۔

"ہمارے ہاں اگر کوئی شخص دین سے نکلنے کا اعلان کرتا ہو۔ تو وہ صرف شخصی زندگی ہی نہیں بدلتا۔ بلکہ ہمارے ریاستی نظام سے بغاوت کرتا ہے۔ اور ملک میں فساد برپا کرتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص باہر سے آکر اپنے مذہب کی تبلیغ کرتا ہے۔ تو اس کے معنے یہ ہوتے ہیں کہ وہ ہمارے اندر آکر ہمارے نظام اجتماعی کے خلاف ہمارے لوگوں کو بغاوت کی دعوت دیتا ہے۔ ان چیزوں کو دنیا کی کوئی ریاست گوارا نہیں کر سکتی

اس اصول کے ماتحت اب ان لوگوں کے مسئلہ پر غور کیجئے۔ جو مسلمانوں کے اندر سے خدا کے قانون سے بغاوت کریں۔ ظاہر ہے کہ یہ ان لوگوں میں داخل نہیں ہو سکتے جن کی طرف نبی کی بعثت براہ راست نہیں ہوئی۔ (یعنے مسلمان لوگ) کہ ذمیوں میں شمار ہو سکیں۔ لازماً ان لوگوں میں شمار ہوں گے۔ جن پر حق واضح ہو چکا ہے۔ یا جن کے لئے وضاحت حق کے تمام وسائل موجود ہیں . . . اب اگر وہ خدا کے قانون سے بغاوت کرتے ہیں۔ تو آخر خدا کا قانون ان کو کس غرض کے لئے مہلت دے گا۔ اب ان کی ہدایت کے لئے کس چیز کا انتظار باقی ہے۔ ان لوگوں کو سورۂ مائدہ کی آیت انما جزاء الذین یحاربون اللّٰہ و رسولہ ویسعون فی الارض فسادا ان یقتلوا او یصلبوا الخ کی رو سے امام قتل کر دینے کا مجاز ہے۔ (ترجمان القرآن ستمبر و اکتوبر ۱۹۴۵ء)

اسی طرح مدیر کوثر نصر اللہ خان صاحب عزیز یکم جولائی ۱۹۴۹ء کے اداریہ میں لکھتے ہیں۔

"قادیانیوں کو پاکستان کے قیام میں ایک عمل خدشہ لاحق ہے۔ ان کو اندیشہ ہے کہ اسلامی حکومت میں مرتد کو قتل کی سزا دی جائے گی۔ اور مسلمانوں کے نزدیک قادیانی مرتد ہیں"۔

(کوثر یکم جولائی ۱۹۴۹ء)

اس سے ظاہر ہے کہ مولانا مودودی صاحب جو تمام دنیا میں حکومت الٰہیہ کو قائم کرنا چاہتے ہیں۔ اور اپنے مشن کو عالمگیر قرار دیتے ہیں۔ ان کا یہ عقیدہ ہے کہ جب انہیں حکومت اسلامی مل جائے گی۔ تو یہ خدائی فوجدار سب کی زبان بند کر دیں گے اور کسی غیر مذہب والے اور غیر صالح مسلمان کو آواز اٹھانے کی اجازت نہ ہوگی۔ اور جو اٹھائے گا وہ قتل کیا جائے گا۔ شیخ سعدی مرحوم نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

گربہ مسکین اگر پر داشتے
تخم گنجشک از جہاں برداشتے

(مذہبی آزادی کے متعلق اسلامی تعلیم اور یہ کہ مرتد کی سزا شریعت اسلامیہ میں قتل نہیں اس کے لئے ملاحظہ ہو اینڈ کس عن اسلام اور مذہبی آزادی)

۶۔ احمدیوں کی مخالفت کیوں؟

مولانا مودودی صاحب کے لئے احمدیوں کی مخالفت کی بظاہر کوئی وجہ نہیں تھی جبکہ وہ احادیث کی بناء پر خود لکھ چکے ہیں۔ کہ جو

خدا کی وحدانیت اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار کرے وہ مسلمان ہے اور اسلامی ریاست کا شہری بن جاتا ہے۔
چنانچہ چند احادیث درج کرکے لکھتے ہیں
"ان احادیث میں حضور نے اسلام کا دستوری قانون (Constitutional Law) بیان فرمایا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص خدا کی وحدانیت اور آپ کی رسالت کو ماننے کا اقرار کرے۔ تو وہ دائرہ اسلام میں آجاتا ہے۔ اور اسلامی سٹیٹ کا شہری (citizen) بن جاتا ہے۔ یہ بات کہ وہ حقیقی مومن ہے یا نہیں اس کا فیصلہ اللہ کرنے والا ہے۔ ہم اس کا فیصلہ کرنے کے مجاز نہیں۔ کیونکہ لم اومران اشق عن قلوب الناس ولا اشق بطونھم یعنے مجھ کو لوگوں کے دل چیرنے اور ان کے باطن ٹٹولنے کا حکم نہیں دیا۔ (تفہیمات جلد اول ص۱۵۲)
اور مزید برآں جیسا کہ مولوی امین احسن اصلاحی دست راست مولانا مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ حضرت علیؓ اور معاویہؓ کے متعلق خوارج نے کہا
سو دونوں اور ان کے تمام ساتھی کافر ہیں" (اسلامی ریاست شہریت کے حقوق مولفہ مولانا امین احسن اصلاحی ص۲۳)
اور پھر لکھتے ہیں۔
"امام خطابی اس بات پر علماء کا اجماع نقل فرماتے ہیں کہ خوارج اپنی ضلالت کے باوجود اپنے شہری حقوق کے لحاظ سے مسلمانوں کے اندر شمار ہوں گے۔ (" ص۲۷)
اسلامی جماعت کا سیاسی نظام صرف ظاہر میں اسلام سے ہی بحث کرتا ہے۔ اور اسی سے بحث کر سکتا ہے۔ اس وجہ سے اس کے اندر جیسا کہ آپ نے دیکھا خارجیت اور انکار کرم تک کے لئے گنجائش نکل آتی ہے بشرطیکہ ان سے شرائط شہریت کی خلاف ورزی سرزد نہ ہوتی ہو" (" ص۳۱)
ان تحریرات کے ہوتے ہوئے مولانا مودودی صاحب نے جماعت احمدیہ کے خلاف جس غیظ و غضب کا اظہار کیا ہے۔ وہ اس لئے کیا ہے کہ وہ سمجھتے ہیں۔ کہ جماعت احمدیہ کا نصب العین ان کے نصب العین کے عین ضد واقع ہوا ہے۔
ان کا نصب العین بزور شمشیر تمام دنیا میں حکومت الٰہیہ قائم کرنا ہے۔ اور موجودہ جمہوری حکومتوں کے بشمول پاکستان تمام احکام کی خلاف ورزی کرنا اور ان کا رد کرنا ہے۔ اور ان کی مسلمان رعیتوں کو بغاوت پر آمادہ کرنا ہے برخلاف اس کے جماعت احمدیہ کا نصب العین محبت و پیار اور دلائل کی رو سے دین اسلام کا تمام مذاہب پر غلبہ ثابت کرنا ہے۔ اور جنگ سے نہیں بلکہ محبت سے اسلامی صداقت کو لوگوں کے دلوں میں جانشین کرا کر ان کے دلوں کو فتح کرنا ہے۔ اور جب دل سے حکومتیں اسلام کی سچائی کو قبول کرلیں گی۔ تو وہی اسلام کی حقیقی فتح کا دن ہوگا۔ اور یہی روحانی فتح حاصل کرنا جماعت احمدیہ کا نصب العین ہے۔ چنانچہ حضرت بانی جماعت احمدیہ فرماتے ہیں۔
"خدا تعالےٰ چاہتا ہے کہ ان تمام روحوں کو جو زمین کی متفرق آبادیوں میں آباد ہیں۔ کیا یورپ اور کیا ایشیا ان سب کو جو نیک فطرت رکھتے ہیں۔ توحید کی طرف کھینچے اور اپنے بندوں کو دین واحد پر جمع کرے یہی خدا تعالےٰ کا مقصد ہے۔ جس کے لئے میں دنیا میں بھیجا گیا۔ سو تم اس مقصد کی پیروی کرو۔ مگر نرمی اور اخلاق اور دعاؤں پر زور دینے سے" (الوصیت ص۹)
اور حضرت امام جماعت احمدیہ نے خدام الاحمدیہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔
"خدام الاحمدیہ کا کام کوئی معمولی کام نہیں ہے۔ یہ نہایت اہمیت رکھنے والا کام ہے۔ اور درحقیقت خدام الاحمدیہ میں داخل ہونا اور اس کے مقررکردہ قواعد کے ماتحت کام کرنا ایک اسلامی فوج تیار کرنا ہے۔ مگر ہماری فوج وہ نہیں جس کے ہاتھوں میں بندوقیں یا تلواریں ہوں بلکہ ہماری فوج وہ ہے۔ جس نے دلائل سے دنیا پر غلبہ حاصل کرنا ہے۔ ہماری تلواریں اور ہماری بندوقیں وہ دلائل ہیں۔ جو احمدیت کی صداقت کے متعلق ہماری طرف سے پیش کئے جاتے ہیں۔ ہماری تلواریں اور بندوقیں وہ دعائیں ہیں جو ترقی احمدیت کے متعلق ہم ہر وقت مانگتے رہتے ہیں۔ اور ہماری بندوقیں اور ہماری تلواریں وہ اخلاق فاضلہ ہیں۔ جو ہم سے صادر ہوتے ہیں۔ پس دلائل نہ ہی کہ دعائیں اور اخلاق فاضلہ یہی ہماری توپیں اور یہی ہماری تلواریں ہیں۔ انہی توپوں اور انہی تلواروں سے ہم نے دنیا کے تمام ادیان کو فتح کرکے اسلام کا پرچم لہرانا اور ان پر غلبہ اقتدار حاصل کرنا ہے۔"
(الفضل ۷ر اپریل ۱۹۲۹ء)

سات سوالوں کے جواب

احباب کرام اس کثرت سے سات سوالوں کے جواب والا پرچہ طلب فرما رہے ہیں کہ ان کو فرداً فرداً اطلاع دینا مشکل ہو رہا ہے براہ کرم ۲ آنے فی پرچہ کے حساب سے رقم پیشگی بھجوا دیں۔ تاکہ تعمیل ارشاد کی جائے۔ زیادہ تعداد میں منگوانے کے لئے آپ اپنے قریبی ریلوے سٹیشن کا نام لکھیں۔
پرچہ محدود تعداد میں ہے۔ اس لئے پہلے آنے والے آرڈروں کو مقدم کیا جائے گا۔
(منیجر المصلح)

اشاعت اسلام کی صف اول کا رجسٹر

اشاعت اسلام کی پہلی صف کے جہاد کبیر میں حصہ لینے والوں کا رجسٹر بتا رہا ہے کہ ابھی تک آپ کا وعدہ سو فی صدی ادا نہیں ہوا۔ یقیناً آپ کے لئے مجبوریاں ہوں گی۔ لیکن جہاں تک میرا خیال ہے۔ کہ اسلام کی مجبوریاں اور معذوریاں آپ کی مجبوریوں اور معذوریوں سے زیادہ ہیں اور پھر اسلام کا اپنے پاؤں پر کھڑے نہ ہونا اس سے زیادہ بدا اثر ڈالتا ہے۔ جتنا کہ آپ کا ذاتی طور پر چند مالی مشکلات میں مبتلا ہو جانا اثر ڈال سکتا ہے۔ پس ان باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ کو توجہ دلانا ضروری ہے۔ کہ آپ کچھ نہ کچھ جتنا بھی اپنے نفس کو مجبور کر سکیں۔ تحریک جدید کا وعدہ دسمبر ۵۳ء کے پہلے عشرہ میں ضرور پورا کر دیں۔ اگر آپ کے خیال میں تیس سال میں سے سی سال کا بقایا بھی ہے۔ سو وہ بھی زیادہ سے زیادہ جلسہ سالانہ تک ادا کرکے اپنا نام فہرست میں درج کروالیں جو دور اول کے انیس سالہ مجاہدین کی تیار ہو رہی ہے۔ (وکیل المال تحریک جدید ربوہ)

دسمبر ۱۹۵۳ء میں آپ کی قیمت اخبار ختم ہے

براہ کرم قیمت اخبار بذریعہ منی آرڈر ارسال فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔ بعض احباب کا خیال ہوتا ہے۔ کہ جلسہ کے موقعہ پر قیمت اخبار جمع کرائیں گے۔ لیکن عموماً یہ ہوتا ہے کہ جلسہ کے دنوں میں بعض احباب کو فرصت نہیں ملتی۔ اور قیمت اخبار موقعہ پر ادا نہیں ہوتی اس صورت میں تاکیداً عرض ہے۔ کہ قیمت جلسہ سالانہ سے قبل ہی ارسال کرنے کی سعی فرمائیں لہذا احباب سے التماس ہے۔ کہ قیمت اخبار جلسہ سالانہ سے قبل ہی بذریعہ آرڈر بھجوا کر دعا اور شکریہ کا موقعہ دیں۔ (منیجر)

مولانا مودودی صاحب کا تحقیقاتی عدالت میں تحریری بیان

مجھے اپنے بیان میں جو باتیں پیش کرنی ہیں۔ ان کی نوعیت کچھ ایسی ہے کہ مجھ کو عدالت کے TERMS OF REFERENCE کی ترتیب بدل کر سب سے پہلے ان حالات پر گفتگو کرنی ہو گی جو لاہور میں مارشل لا جاری کئے جانے کے موجب ہوئے۔ اس کے بعد میں اس سوال پر بحث کروں گا کہ ان ہنگاموں سے عہدہ برا ہونے کے لئے صوبے کے حکام نے جو تدابیر اختیار کیں۔ وہ کیسی تھیں۔ پھر یہ بتاؤں گا کہ میرے نزدیک ان ہنگاموں کی ذمہ داری کس پر ہے۔ اور آخر میں یہ عرض کروں گا۔ کہ اس جھگڑے میں میرا اور میری راہنمائی میں جماعت اسلامی کا رویہ کیا رہا ہے۔

وہ حالات جو لاہور میں مارشل لاء جاری کرنے کے موجب ہوئے

(۱) اس سوال کو اگر صرف ان حالات تک محدود رکھا جائے جو مارشل لاء کے اجرا سے پہلے قریبی زمانے میں رونما ہوئے تھے۔ تو میرے نزدیک یہ اس تحقیقات کا بہت ہی تنگ نقطۂ نظر ہو گا۔ جسے اختیار کر کے کوئی صحیح نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا معاملے کی تہ تک پہنچنے کے لئے ضروری ہے کہ جس نزاع نے پنجاب میں بالآخر ایک ہنگامے کی شکل اختیار کی، اور جسے فرد کرنے کے لئے مارشل لاء نافذ کیا گیا۔ سب سے پہلے اس کی اصل اور اس کے تاریخی ارتقاء پر نگاہ ڈالی جائے۔ اور پھر ان قریبی حالات کو دیکھا جائے جو اس قدیم نزاع کی بدولت حال میں رونما ہوئے

اصل بنائے اختلاف نبوت کا دعوٰی ہے

۱۔ قادیانیوں اور مسلمانوں کے درمیان اختلاف کا آغاز بیسویں صدی کی ابتدا سے ہوا ہے۔ انیسویں صدی کے خاتمے تک اگرچہ مرزا غلام احمد صاحب مختلف قسم کے دعوے کرتے رہے تھے۔ جن کی بنا پر مسلمانوں میں ان کے خلاف عام بے چینی پیدا ہو چکی تھی۔ مگر اس وقت تک انہوں نے کوئی ایک قطعی دعوٰی نہیں کیا تھا۔ ۱۹۰۱ء میں انہوں نے نبوت کا صریح اور قطعی دعوٰی کیا۔ جس سے ان کے ماننے والوں اور عام مسلمانوں کے درمیان ایک مستقل نزاع شروع ہو گئی

نبوت اسلام کا ایک بنیادی مسئلہ ہے

اس نزاع کی وجہ یہ تھی کہ نبوت اسلام کے بنیادی مسائل میں سے ایک ہے۔ ایک شخص کے دعوٰی نبوت کے بعد ہر مسلمان کے لئے لازم ہو جاتا ہے۔ کہ اس پر ایمان لانے یا نہ لانے میں سے کسی ایک رویے کا فیصلہ کرے جو لوگ اس پر ایمان لائیں وہ آپ سے آپ ایک الگ امت بن جاتے ہیں اور ان کے نزدیک ایسے سب لوگ کافر ہو جاتے ہیں جنہوں نے اس کو نہ مانا ہو اور اس کے برعکس جو لوگ اس پر ایمان نہ لائیں وہ خود بخود مقدم الذکر گروہ سے الگ ایک امت قرار پاتے ہیں۔ اور وہ ایسے سب لوگوں کو کافر سمجھتے ہیں جو ان کے نزدیک ایک جھوٹے نبی پر ایمان لائے ہوں۔

قادیانیوں کے کفر پر تمام مسلم فرقے متفق ہیں

یہی وجہ ہے کہ دعوٰی نبوت کے بعد سے مرزا صاحب کے ماننے والے اور نہ ماننے والے بالکل ایک دوسرے سے جدا ہوتے چلے گئے غرزا صاحب نے اور ان کے بعد ان کے خلفاء نے اعلانیہ اپنی تقریروں اور تحریروں میں ان تمام لوگوں کو قطعی کافر ٹھہرایا جو ان پر ایمان نہیں لائے۔ اور مسلمانوں کے تمام فرقوں نے (جن میں سنی۔ شیعہ۔ اہلحدیث۔ حنفی دیوبندی۔ بریلوی سب شامل ہیں) بالاتفاق مرزا صاحب کو اور ان سب لوگوں کو کافر قرار دیا۔ جو ان پر ایمان لے آئے

نزاع کے بنیادی اسباب

۲ اس نزاع کو تین چیزیں روز بروز زیادہ تیز کرتی چلی گئیں۔

ایک۔ اس نئے مذہب کے پیرؤوں کی تبلیغی سرگرمی اور بحث و مناظرے کی دائمی عادت جس کی بنا پر ان میں کا ہر شخص اپنے ماحول میں ہمیشہ ایک کشمکش پیدا کرتا رہا ہے۔

دوسرے ان کی تبلیغی سرگرمیوں اور بحثوں اور مناظروں کا زیادہ تر مسلمانوں کے خلاف ہونا۔ جس کی وجہ سے بالعموم مسلمان ہی ان کے خلاف مشتعل ہوئے ہیں۔

تیسرے ان کا مسلمانوں کے اندر شامل رہ کر اسلام کے نام سے تبلیغ کرنا۔ جس کی وجہ سے ناواقف مسلمان یہ سمجھتے ہوئے بآسانی ان کے مذہب میں داخل ہو جاتے ہیں کہ وہ ملت اسلامیہ سے نکل کر کسی اور ملت میں نہیں جا رہے ہیں۔ یہ چیز قدرتی طور پر مسلمانوں میں اس سے زیادہ غصہ پیدا کرتی ہے۔ جو عیسائیوں یا کسی دوسرے مذہب والوں کی تبلیغ سے کسی مسلمان کے مرتد ہو جانے پر پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ ان کی تبلیغ کسی مسلمان کو اس دھوکے میں مبتلا نہیں کرتی کہ وہ مسلمانوں ہی سے نکل کر بھی مسلمانوں ہی میں شامل ہے۔

قادیانیت ایک مذہبی عقیدہ ہی نہیں بلکہ ایک تلخ معاشرتی مسئلہ بھی ہے

۳۔ آغاز میں یہ نزاع صرف ایک مذہبی نزاع تھی۔ مگر بہت جلدی اس نے مسلمانوں کے اندر ایک پیچیدہ اور نہایت تلخ معاشرتی مسئلے کی شکل اختیار کر لی۔ اس کی وجہ مرزا صاحب اور ان کے خلفاء کا یہ فتویٰ تھا۔ کہ احمدیوں اور غیر احمدیوں کے درمیان بس وہی تعلقات رہ سکتے ہیں۔ جو مسلمانوں اور عیسائیوں یا یہودیوں کے درمیان ہوتے ہیں۔ یعنی ایک احمدی کسی غیر احمدی کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکتا۔ اس کی یا اس کے بچے کی نماز جنازہ نہیں پڑھ سکتا اس کی بیٹی لے سکتا ہے۔ مگر اس کو بیٹی دے نہیں سکتا۔ اس فتویٰ کا ردعمل مسلمانوں کی طرف سے بھی ایسے ہی طرز عمل کی صورت میں رونما ہوا۔ اور اس طرح دونوں گروہوں کے درمیان معاشرتی مقاطعے کی حالت پیدا ہو گئی۔ اس مقاطعے سے مسلم معاشرے میں جو تفرقہ رونما ہوا۔ وہ بس ایک وقتی تفرقہ ہی نہ تھا۔ جو ایک دفعہ رونما ہو کر رہ گیا ہو۔ بلکہ وہ ایک روز افزوں تفرقہ تھا۔ کیونکہ قادیانیت ایک تبلیغی تحریک تھی۔ اور وہ آئے دن کسی نہ کسی مسلمان کو قادیانی بنا کر ایک نئے خاندان میں تفرقہ برپا کر رہی تھی اپنے اس معاشرتی مقاطعے کے رویے کو لئے ہوئے جس گھر۔ جس خاندان۔ جس گاؤں۔ جس برادری اور جس بستی میں بھی پہنچی وہاں اس نے پھوٹ ڈال دی۔ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جہاں شوہر اور بیوی ایک دوسرے کو حرام سمجھنے لگیں یا کم از کم اپنے تعلقات کے جائز ہونے میں شک کرنے لگیں۔ اور جہاں ایک بھائی کے بچے کی نماز جنازہ دوسرا بھائی نہ پڑھے اور جہاں بیٹا باپ سے اور باپ بیٹے سے کافروں کا سا معاملہ کرنے لگے۔ اور جہاں ایک ہی خاندان یا برادری میں رشتے ناطے کے تعلقات ختم ہو جائیں وہاں معاشرے میں کیسی کچھ تلخیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔

یہ تلخیاں قادیانیت کی رفتار اشاعت کے ساتھ پچھلے پچاس سال کے دوران میں برابر بڑھتی چلی گئی ہیں۔ اور سب سے زیادہ پنجاب کو۔ ان سے سابقہ پیش آیا ہے۔ کیونکہ یہاں ہزارہا خاندانوں میں ان کا زہر پھیل چکا ہے

معاشی کشمکش

۴۔ کچھ زیادہ مدت نہ گذری تھی کہ مسلمانوں اور قادیانیوں کی یہ نزاع معاش کے میدان میں بھی پہنچ گئی مسلمانوں کے ساتھ مذہبی اور معاشرتی کشمکش کی وجہ سے اور بڑی حد تک نئے نئے مذہبی جوش کی وجہ سے بھی قادیانیوں کے اندر ابتدا ہی سے جتھہ بندی کا ایک زبردست میلان پایا جاتا تھا۔ انہوں نے منظم ہو کر معیشت کے ہر شعبے میں قادیانی کو غیر قادیانی پر ترجیح دینے اور ایک دوسرے کی مدد کر کے آگے بڑھانے کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اور اس سے ان کے اور مسلمانوں کے تعلقات کی تلخی روز بروز بڑھتی چلی گئی خصوصیت کے ساتھ سرکاری ملازمتوں کے معاملے میں دونوں گروہوں کی کشمکش زیادہ نمایاں رہی ہے اور قادیانی عہدہ داروں کی خویش پروریوں نے اس کو مزید ہوا دی ہے:

اس نزاع سے بھی پنجاب ہی کو سب سے زیادہ سابقہ پیش آیا ہے۔ کیونکہ قادیانیوں کی بڑی تعداد اسی صوبے میں آباد ہے۔ اور بیشتر یہیں کی زراعت۔ تجارت صنعت و حرفت اور ملازمتوں میں ان کے اور مسلمانوں کے درمیان کشمکش برپا رہی ہے۔ اس موقعہ پر یہ بات نہ بھولنی چاہیئے کہ یہ اسی نوعیت کی نزاع ہے۔ جو اس سے پہلے مسلمانوں اور ہندوؤں کو ایک دوسرے سے پھاڑ کر باہمی عداوت کی آخری حد تک پہنچا چکی ہے

قادیانیت مسلم معاشرے میں ایک تفرقہ انگیز قوت ہے

۵۔ جہاں دو گروہوں کے درمیان مذہب معاشرت اور معیشت میں کشمکش ہو۔ وہاں سیاسی کشمکش کا رونما ہونا بالکل ایک قدرتی بات ہے۔ مگر قادیانیوں اور مسلمانوں کے معاملے میں سیاسی کشمکش کے اسباب اس سے کچھ زیادہ گہرے ہیں۔ مرزا صاحب اور ان کے پیرؤوں کو ابتدا سے یہ احساس تھا۔ کہ جس نبوت کا دعوٰی لے کر وہ اٹھے ہیں وہ مسلم معاشرے اندر خود ایمان کی ایک نئی تفریق برپا کرتی ہے۔ اور ان کو یہ بھی معلوم تھا کہ اپنی ملت میں اس طرح کی ایک تفرقہ انگیز قوت (DISINTEGRATING FORCE) کو مسلمانوں نے حضرت ابو بکرؓ کے زمانے سے لے کر قاجاری اور عثمانی فرمانرواؤں کے دور تک پچھلی بارہ صدیوں میں کبھی ابھرنے نہیں دیا ہے۔ اس لئے انہوں نے اپنی تحریک کے آغاز ہی سے انگریزی حکومت کی وفاداری کو اپنا جزو ایمان بنایا۔ اور نہ صرف زبان سے بلکہ پورے خلوص کے ساتھ دل سے بھی یہی سمجھا کہ ان کے بقا اور نشو و نما اور فلاح و کامیابی کا انحصار سراسر ایک غیر مسلم حکومت کے سایۂ عاطفت پر ہے مسلمان غلام ہوں غیر مسلم ان پر حکمران ہوں قادیانی ان غیر مسلم حکمرانوں کے پکے وفادار خادم بن کر ان کی حمایت حاصل کریں۔ اور پھر آزادی کے ساتھ بے بس مسلمانوں کو اپنی

تفرقہ انگیز تحریک کا شکار بنایئں۔ یہ تھا قادیانیت کی ترقی کا وہ مختصر فارمولا جو مرزا غلام احمد صاحب نے بنایا۔ اور ان کے بعد ان کے خلفاء اور ان کی جماعت کے تقریباً تمام بڑے بڑے مصنفین و مقررین نے اپنے بے شمار تحریروں اور تقریروں میں بار بار دہرایا۔

انگریز کے قابل اعتماد آلہ کار

قادیانیت کے اس سیاسی دھماکے کو ابتداً انگریز خود اچھی طرح نہیں سمجھے تھے۔ قادیانیوں نے بڑی کوششوں سے انہیں اپنے "امکانات" سمجھائے۔ اور پھر انگریزوں نے ان کو اپنی مسلم رعایا کا سب سے زیادہ قابل اعتماد عنصر سمجھ کر ہندوستان میں بھی استعمال کیا اور باہر دوسرے مسلمان ملکوں میں بھی

ہندو لیڈروں کا نقطۂ نظر

ان کے بعد جب ہندوستان میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی قومی کش مکش بڑھی تو کانگرس کے نیشنلسٹ لیڈروں کی نگاہ بھی قادیانیت کے "امکانات" پر پڑنی شروع ہو گئی۔ یہ ۱۹۳۰ء کے لگ بھگ زمانے کی بات ہے۔ جبکہ ایک بہت بڑے ہندو لیڈر نے قادیانیت کی حمایت میں ڈاکٹر اقبال مرحوم سے مباحثہ فرمایا تھا۔ اور ایک دوسرے نامور لیڈر نے اعلانیہ کہا تھا۔ کہ مسلمانوں میں ہمارے نقطۂ نظر سے سب سے زیادہ پسندیدہ عنصر قادیانی ہیں۔ کیونکہ ان کا نبی بھی دیسی INDIGENOUS ہے اور ان کے مقدس مقامات بھی اسی دیس میں واقع ہیں

غیر مسلموں کے لئے پُر امید، مسلمانوں کے لئے اندیشناک!

غرض اپنے مسلک خاص کی وجہ سے قادیانیوں کا سیاسی موقف ہے ہی کچھ اس قسم کا کہ غیر مسلم ان کو فطرتاً پُر امید نگاہوں سے اور مسلمان اندیشناک نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ مسلمانوں میں ہمیشہ یہ عام خیال موجود رہا ہے۔ کہ ملت اسلامیہ کی تخریب کے لئے۔ خود اس ملت کے اندر سے جو عنصر سب سے بڑھ کر دشمنانِ اسلام کا آلۂ کار بن سکتا ہے۔ وہ قادیانی عنصر ہے اور اس خیال کو جن باتوں سے تقویت پہنچائی ہے۔ وہ یہ ہے کہ پہلی جنگِ عظیم میں جب بغداد - بیت المقدس اور قسطنطنیہ پر انگریزوں کا قبضہ ہوا۔ تو پوری مسلم قوم کے اندر وہ صرف قادیانی تھے جنہوں نے اس پر خوشیاں منائیں۔ اور چراغاں کئے۔ یہی نہیں بلکہ قادیانیوں کے خلیفہ صاحب نے علی الاعلان یہ فرمایا کہ انگریزی حکومت کی ترقی سے ہماری ترقی وابستہ ہے۔ جہاں جہاں یہ پھیلے گی ہمارے لئے تبلیغ کا میدان نکلتا آئے گا۔ ان باتوں کے بعد یہ نہیں کہا جا سکتا۔ کہ قادیانیوں کے متعلق مسلمانوں کی عام بدگمانی بے وجہ ہے۔

اشتعال انگیز تحریریں

۶ - تمام مسلمانوں کی تکفیر اور ان سے معاشرتی مقاطعے اور ان کے ساتھ معاشی کش مکش کی بنا پر قادیانیوں اور مسلمانوں کے تعلقات میں جو تلخی پیدا ہو چلی تھی۔ اس کو مرزا غلام احمد صاحب اور ان کے پیروؤں کی ان بہت سی تحریروں نے تلخ تر بنا دیا تھا۔ جو مسلمانوں کے لئے سخت دل آزار اور اشتعال انگیز تھیں۔ مثال کے طور پر ان کی چند عبارتیں حسب ذیل ہیں جن کو دیکھ کر عدالت خود اندازہ کر سکتی ہے۔ کہ ایک مسلمان کے لئے ان باتوں کو برداشت کرنا کس قدر مشکل ہے۔

"ایک غلطی کا ازالہ (اشتہار) میں حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم کے الہام میں محمد رسول اللہ سے مراد میں ہوں اور محمد رسول اللہ خدا نے مجھے کہا ہے"۔ (اخبار "الفضل" قادیان ج ۲ نمبر ۱۰ مورخہ ۱۵ جولائی ۱۹۱۵ء)

"پس ظلی نبوت نے مسیح موعودؑ کے قدم کو پیچھے نہیں ہٹایا۔ بلکہ آگے بڑھایا اور اس قدر آگے بڑھایا کہ نبی کریم کے پہلو بہ پہلو لا کھڑا کیا"۔ (کلمۃ الفصل مصنفہ صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب قادیانی۔ مندرجہ رسالہ ریویو آف ریلیجنز ج ۱۴، ع ۳ ص ۱۱۳)

"اس کے (یعنی نبی کریم کے) لئے چاند گرہن کا نشان ظاہر ہوا۔ اور میرے لئے چاند اور سورج دونوں کا۔ اب کیا تو انکار کرے گا"۔ (اعجاز احمدی مصنفہ مرزا غلام احمد صاحب ص ۷۱)

"محمد پھر اتر آئے ہیں ہم میں
اور آگے سے ہیں بڑھ کر اپنی شان میں
محمدؐ دیکھنے ہوں جس نے اکمل
غلام احمدؐ کو دیکھے قادیاں میں"

(از قاضی محمد ظہور الدین اکمل قادیانی منقول از اخبار "پیغام صلح" لاہور ۱۴ مارچ ۱۹۱۶ء)

"مجھ میں اور تمہارے حسین میں بڑا فرق ہے۔ کیونکہ مجھے تو ہر ایک وقت خدا کی تائید اور مدد مل رہی ہے۔" (نزول المسیح مصنفہ مرزا غلام احمد صاحب ص ۹۶)

"اور میں خدا کا کشتہ ہوں اور تمہارا حسین دشمنوں کا کشتہ ہے"۔ (نزول المسیح مرزا غلام احمد صاحب ص ۸۱)

"کربلائیست سیر ہر آنم
صد حسین است در گریبانم"

(مرزا غلام احمد صاحب منقول از خطبہ جمعہ میاں محمود احمد صاحب مندرجہ اخبار "الفضل" قادیان ج ۱۲ ع ۸ مورخہ ۲۶ جنوری ۱۹۲۶ء)

"ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو
اس سے بہتر غلام احمد ہے"

("دافع البلاء" ص ۲۰)

"یسوع کے ہاتھ میں سوائے مکر و فریب کے اور کچھ نہیں تھا۔ بھلا کیا عیسائی ایسے شخص کو خدا بنا رہے ہیں۔ آپ کا خاندان بھی نہایت پاک اور مطہر ہے۔ تین دادیاں اور نانیاں آپ کی زناکار اور کسبی عورتیں تھیں۔ جن کے خون سے آپ کا وجود ظہور پذیر ہوا"۔ (ضمیمہ "انجام آتھم" ص ۷ "نور القرآن" ع ۲ ص ۱۲)

"جو شخص تیری پیروی نہیں کرے گا اور تیری بیعت میں داخل نہیں ہوگا۔ اور تیرا مخالف رہے گا۔ وہ خدا اور رسول کی مخالفت کرنے والا جہنمی ہے"۔

(الہام مرزا غلام احمد صاحب تبلیغ رسالت ج ۹ ص ۲۷)

"کل مسلمانوں نے مجھے قبول کر لیا ہے اور میری دعوت کی تصدیق کر لی ہے۔ مگر کنجریوں اور بدکاروں کی اولاد نے مجھے نہیں مانا"۔ (آئینہ کمالات صفحہ ۵۴۷)

"جو شخص میرا مخالف ہے۔ وہ عیسائی یہودی مشرک اور جہنمی ہے"۔ (نزول المسیح ص ۴ تذکرہ ص ۲۲۷ تحفہ گولڑویہ ص ۲ تبلیغ رسالت ج ۹ ص ۲۷)

"بلاشبہ ہمارے دشمن بیابانوں کے خنزیر ہو گئے۔ اور ان کی عورتیں کتیوں سے بھی بڑھ گئیں"۔ (نجم الہدیٰ ص ۱۰ "درثمین" ص ۲۹۲)

"جو شخص ہماری فتح کا قائل نہ ہوگا تو سمجھا جائے گا کہ اس کو ولد الحرام بننے کا شوق ہے"۔ (انوار الاسلام ص ۳۰)

علامہ اقبال کا مطالبہ

۷ - یہ سب اسباب نصف صدی سے مسلسل اپنا کام کر رہے تھے۔ اور انہوں نے خاص طور پر پنجاب میں قادیانیت کو مسلمانوں کے لئے۔ ایک ایسا مسئلہ بنا دیا تھا۔ جو چاہے کوئی بڑا مسئلہ نہ ہو۔ مگر احساس کے لحاظ سے ایک نہایت تلخ مسئلہ ضرور تھا۔ جس کی تلخی کو شہروں اور دیہات کے لاکھوں آدمی یکساں محسوس کر رہے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ تلخی اس سے پہلے کسی بڑے ہنگامے کی محرک نہ بنی تھی۔ مگر پچھلے تیس چالیس سال کے دوران میں وہ برابر چھوٹے چھوٹے گھریلو خاندانی اور مقامی جھگڑے برپا کرتی رہی تھی۔ جو بارہا عدالتوں تک بھی فوجداری اور دیوانی مقدمات کی صورت میں پہنچے ہیں۔ مسلمانوں کے اونچے طبقے چاہے اس میں شریک نہ رہے ہوں۔ مگر عوام اور نچلے متوسط طبقے میں ایک مدت سے یہ عام خواہش موجود رہی ہے۔ کہ قادیانیوں کو مسلمانوں سے الگ ایک اقلیت قرار دیا جائے۔ تاکہ انہیں مسلمانوں کے معاشرے میں شامل رہ کر اپنی تبلیغ سے اس معاشرے کے اجزاء کو توڑنے اور دن پارہ پارہ کرتے رہنے کا موقع نہ ملے۔ مسلمانوں کی اس خواہش کی ترجمانی اب سے تقریباً بیس برس پہلے علامہ اقبال مرحوم نے اپنے رسالہ ISLAM AND AHMADISM میں فرمائی تھی اور اس کے حق میں بڑے مضبوط دلائل دیئے تھے۔

اپنی قومی حکومت سے مسلمانوں کی جائز توقع

۸ - انگریزی دور میں مسلمان اس کی توقع نہ رکھتے تھے کہ وہ قادیانیوں کو اپنے سے الگ کرنے کی کوشش میں کامیاب ہو سکیں گے کیونکہ ایک بیرونی قوم سے قدرتی طور پر یہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔ کہ وہ مسلمانوں کے ایک معاشرتی مسئلے کو ہمدردی کے ساتھ سمجھنے اور حل کرنے کی زحمت اٹھائے گی اور مسلمانوں کو یہ بھی احساس تھا کہ انگریز قادیانیوں کو قصداً مسلمانوں کے اندر شامل رکھنا چاہتے ہیں۔ تاکہ بوقت ضرورت مسلم مفاد کے خلاف ان کو آسانی سے استعمال کیا جا سکے۔ مگر جب پاکستان ایک خود مختار ریاست کی حیثیت سے وجود میں آ گیا تو مسلمانوں نے بجا طور پر اپنی قومی حکومت سے یہ توقع وابستہ کی کہ وہ دوسرے مسائل کی طرح قادیانیت کے مسئلے کی طرف بھی توجہ کرے گی۔ جو پچاس برس سے ان کی ملت میں مسلسل تفرقہ برپا کر رہی ہے۔ اور جس کی بدولت ایک ہی قوم کے اندر دو ایسے عنصر پیدا ہو رہے ہیں۔ جو مذہبی معاشرتی اور سیاسی حیثیت سے باہم متصادم اور برسرِ پیکار ہیں۔ پاکستان کی عمر کے ساتھ ساتھ یہ توقع بڑھتی اور پھر بتدریج مایوسی اور بے چینی اور شکایت کی حد تک پہنچتی چلی گئی۔ میں نے ۱۹۵۰ء اور ۱۹۵۱ء میں تقریباً پورے پنجاب کا دورہ کیا ہے۔ اور شہروں کے علاوہ دیہاتی علاقوں تک بھی گیا ہوں۔ اس پورے دورے میں کوئی جگہ ایسی نہ تھی جہاں مجھ سے قادیانیت کے بارے میں سوال نہ کیا گیا ہو۔ میں نے اسی وقت یہ محسوس کر لیا تھا۔ کہ جس مسئلے کے متعلق عام لوگوں کے دلوں میں یہ احساسات موجود ہوں۔ اس کو اگر حل نہ کیا گیا۔ تو وہ کبھی نہ کبھی ملک میں ایک فتنہ اٹھا کر رہے گا۔

قیام پاکستان کے بعد قادیانی مسئلہ زیادہ خطرناک بن گیا

۹ - قیام پاکستان کے بعد خود قادیانیوں کی طرف سے بھی پے در پے ایسی باتیں ہوتی رہی ہیں۔ جنہوں نے مسلمانوں کی تشویش میں مزید اضافہ کر دیا۔ اور مسلمان یہ محسوس کرنے لگے۔ کہ قادیانی مسئلہ انگریزی دور سے بھی بڑھ کر ان کے لئے اب ایک خطرناک مسئلہ بنتا جا رہا ہے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کو نظر انداز کر کے۔ میں صرف پانچ اہم باتوں کی طرف عدالت کو توجہ دلاؤں گا۔

بلوچستان کو قادیانی صوبہ بنانے کا منصوبہ

اول یہ کہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے ۲۳ جولائی ۱۹۴۸ء کو کوئٹہ میں تقریر کرتے ہوئے اس خیال کا اظہار فرمایا کہ وہ "بلوچستان کو ایک قادیانی صوبے

میں تبدیل کرنا چاہتے ہیں۔ تاکہ پورے پاکستان پر قبضہ کے لئے وہ ایک B.A.SE کے طور پر کام آئے۔ یہ خطبہ ۲۲ر اگست ۱۹۴۸ء کے الفضل میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

مرزا صاحب نے اس خیال کو صرف وقتی خواہش کے طور پر ہی ظاہر نہیں کیا ہے۔ بلکہ وہ اس کا بار بار اعادہ کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ ۵ر جولائی ۱۹۵۰ء کے "الفضل" میں بھی ان کا ایک خطبہ اسی خیال کا حامل ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ ایک مستقل منصوبہ ہے۔ جو ان کے ذہن میں پکتا رہا ہے۔

حکومت کی مشینری پر قبضے کا منصوبہ

دوم یہ کہ انہوں نے اپنے اس منصوبے کا بھی بار بار علی الاعلان اظہار کیا ہے۔ کہ باقاعدہ ایک منظم کوشش کے ساتھ مختلف سرکاری محکموں میں قادیانیوں کو داخل کیا جائے۔ اور پھر سرکاری عہدوں پر قبضہ کر کے حکومت کی مشینری کو قادیانی جماعت کے مفاد میں استعمال کیا جائے۔ اسکی مثال میں خلیفہ صاحب کے صرف ایک خطبے کی حسب ذیل عبارت نقل کر دینا کافی ہے۔

"اگر وہ (یعنی قادیانی جماعت کی صوبائی شاخیں) اپنے نوجوانوں کو دنیا کمانے پر لگائیں۔ تو اس طرح لگائیں۔ کہ جماعت اس سے فائدہ اٹھا سکے۔ بھیڑ چال کے طور پر نوجوان ایک ہی محکمے میں چلے جاتے ہیں۔ حالانکہ متعدد محکمے ہیں۔ جن کے ذریعہ سے جماعت اپنے حقوق حاصل کر سکتی ہے۔ اور اپنے آپ کو شر سے بچا سکتی ہے۔ جب تک ان سارے محکموں میں ہمارے اپنے آدمی موجود نہ ہوں۔ ان سے جماعت پورے طور پر کام نہیں لے سکتی۔ مثلاً موٹے موٹے محکموں میں سے فوج ہے۔ پولیس ہے۔ ایڈ منسٹریشن ہے۔ ریلوے ہے۔ فائننس ہے۔ اکاؤنٹس ہے۔ کسٹم ہے۔ انجینئرنگ ہے۔ یہ آٹھ دس موٹے موٹے صیغے ہیں۔ جن کے ذریعہ سے ہماری جماعت اپنے حقوق محفوظ کر سکتی ہے۔ ہماری جماعت کے نوجوان فوج میں بے تحاشا جاتے ہیں۔ اس کے نتیجہ میں ہماری نسبت فوج میں دوسرے محکموں کی نسبت بہت زیادہ ہے۔ اور اس سے ہم اپنے حقوق کی حفاظت کا فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ باقی محکمے خالی پڑے ہیں۔ بے شک آپ اپنے لڑکوں کو نوکری کرائیں۔ لیکن وہ نوکری اس طرح کیوں نہ کرائی جائے۔ جس سے جماعت فائدہ اٹھا سکے۔ ...... ہمیں اس بارے میں خاص پلین PLAN بنانا چاہیئے۔ اور اس کے مطابق کام کرنا چاہیئے۔"

(الفضل مورخہ ۱۱ر جنوری ۱۹۵۲ء)

خلیفہ صاحب کی جنگجو یانہ ذہنیت

سوم یہ کہ خلیفہ صاحب قیام پاکستان کے بعد سے اپنے پیروں کو مسلسل دشمنوں کے مقابلے پر اکساتے اور بھڑکاتے رہے ہیں۔ اور ان کے اندر ایک جنگجو یانہ ذہنیت پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ مثال کے طور پر ان کے ایک خطبے کی یہ عبارت ملاحظہ ہو:۔

"لوگ گھبراتے ہیں۔ کہ ان کی مخالفت کیوں کی جاتی ہے۔ لوگ جھنجلا اٹھتے ہیں۔ کہ ان کی عداوت کیوں کی جاتی ہے۔ لوگ چڑتے ہیں۔ کہ انہیں دکھ کیوں دیا جاتا ہے۔ لیکن اگر گالیاں دینے اور دکھ دینے کی یہی وجہ ہو کہ وہ ہمارا شکار ہیں تو پھر ہمیں گھبرانا نہیں چاہیئے۔ اور نہ کسی قسم کا فکر کرنا چاہیئے بلکہ ہمیں خوش ہونا چاہیئے۔ کہ دشمن یہ محسوس کرتا ہے کہ اگر ہم میں کوئی نئی حرکت پیدا ہوئی۔ تو ہم اس کے مذہب کو کھا جائیں گے۔"

(الفضل ۱۶ر جولائی ۱۹۴۹ء)

صریح طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ کہ اس عبارت میں "لوگ" سے مراد قادیانی ہیں۔ "دشمن" سے مراد مسلمان ہیں۔ مرزا صاحب مسلمانوں کو اپنا شکار قرار دے رہے ہیں۔ اور اس بات پر مسرت کا اظہار فرما رہے ہیں۔ کہ مسلمان ان کی تحریک کو اپنے مذہب کے لئے تباہ کن خطرہ محسوس کرتے ہیں۔ ایسے ہی جنگجو یانہ خطبے ۵ر جولائی ۱۹۵۰ء اور ۸ر مئی ۱۹۵۱ء کے "الفضل" میں بھی موجود ہیں۔

فوج میں قادیانیوں کی "فرقان بٹالین"

چہارم یہ کہ قادیانی جماعت کی طرف سے جارحانہ ارادوں کا اظہار صرف جنگجو یانہ باتوں ہی کی شکل میں نہیں۔ بلکہ عملی تدابیر کی شکل میں بھی ہوتا رہا ہے۔ جن کی خبریں عام طور پر مسلمانوں میں پھیل کر اضطراب پیدا کرتی رہی ہیں۔ مثلاً فوج میں "فرقان بٹالین" کے نام سے خالص قادیانیوں پر مشتمل ایک بٹالین کا قیام، قادیانیوں کے پاس اسلحہ سازی کے متعدد کارخانے ہونا اور قادیانیوں کو اسلحہ کے بکثرت لائسنس حاصل ہونا۔ ان چیزوں کو قادیانیوں نے خود ہی عوام کے سامنے بیان کر کے اپنا رعب بٹھانے کی کوشش کی ہے۔

چند اور اشتعال انگیز تحریریں۔

پنجم یہ کہ مرزا بشیر الدین محمود احمد اور ان کی جماعت کے دوسرے لوگوں نے ۱۹۵۲ء کے آغاز سے مسلمانوں کو کھلم کھلا دھمکیاں دینی شروع کر دیں۔ جن کا لہجہ روز بروز اشتعال انگیز ہوتا چلا گیا۔ مثال کے طور پر ان کی حسب ذیل عبارتیں ملاحظہ ہوں:۔

"ہم فتحیاب ہوں گے۔ ضرور تم مجرموں کی طرح ہمارے سامنے پیش ہو گے۔ اس وقت تمہارا حشر بھی وہی ہو گا۔ جو فتح مکہ کے دن ابوجہل اور اسکی پارٹی کا ہوا۔" (الفضل ۳ر جنوری ۱۹۵۲ء)

"۱۹۵۲ء گزرنے نہ دیجئے۔ جب تک کہ احمدیت کا رعب دشمن اس رنگ میں محسوس نہ کرے۔ کہ اب احمدیت مٹائی نہیں جا سکتی۔ اور وہ مجبور ہو کر احمدیت کی آغوش میں آگرے۔" (الفضل ۱۶ر جنوری ۱۹۵۲ء)

"ہاں اب آخری وقت آ پہنچا ہے۔ ان تمام علمائے حق کے خون کا بدلہ لینے کا جن کو شروع سے لیکر آج تک یہ خونی ملا قتل کراتے آئے ہیں۔ ان سب کے خون کا بدلہ لیا جائیگا۔

۱۔ عطاء اللہ شاہ بخاری سے۔
۲۔ ملا بدایونی سے۔
۳۔ ملا احتشام الحق سے۔
۴۔ ملا محمد شفیع سے۔
۵۔ ملا مودودی (پانچویں سوار) سے

(الفضل ۱۵ر جولائی ۱۹۵۲ء)۔

مکروہ تقلید:۔

۱۰۔ یہ ہے۔ حالات کا وہ تاریخی پس منظر جس میں احرار نے قادیانی مسئلے پر ایجی ٹیشن کا آغاز کیا۔ میری سابق تصریحات سے یہ بات معلوم ہو چکی ہے۔ کہ مسئلہ فی الواقع پنجاب میں موجود تھا۔ اور عوام کے اندر اس کے بارے میں اتنی بے چینی بھی موجود تھی۔ کہ اسے ایک فتنہ بننے کے لئے بس کسی نہ کسی کے چھیڑ دینے کی ضرورت تھی۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ وہ احرار ہی کیوں تھے۔ جنہوں نے اسے چھیڑا؟ اس کے بارے میں آج حکومت کی طرف سے جو نظریات پیش کئے جا رہے ہیں۔ میں ان کو سراسر افتراء اور اخلاقی پستی کی انتہا سمجھتا ہوں۔ درحقیقت جو لوگ بھی اس ملک کی تحریکات سے براہ راست واقفیت رکھتے ہیں۔ وہ اس امر واقعی سے آگاہ ہیں۔ کہ احرار کے لئے اس مسئلے سے تعرض کرنے کا یہ کوئی پہلا موقع نہیں تھا۔ پچھلے پچیس سال سے وہ قادیانیوں کے خلاف تقریریں کرتے رہے ہیں۔ اور یہ بحث ان کی دلچسپیوں کا خاص موضوع رہی ہے۔ قیام پاکستان کے بعد جب ۱۹۴۹ء میں احرار نے اپنے پچھلے سیاسی مسلک سے توبہ کی اور اپنی سیاست کو مسلم لیگ کی سیاست میں مدغم کرنے کا اعلان کیا۔ اس وقت انہوں نے یہ اعلان بھی کیا تھا۔ کہ آئندہ وہ جماعتی حیثیت سے اپنی جدوجہد کو صرف "تحفظ ختم نبوت" پر مرکوز رکھیں گے۔ اس کے بعد سے ۱۹۵۲ء تک وہ مسلم لیگ کے سیاسی حلیف رہے۔ پنجاب اور بہاولپور کے انتخابات میں انہوں نے لیگ کا پورا ساتھ دیا۔ پاکستان کے دونوں سابق وزیراعظم (مسٹر لیاقت علی خاں مرحوم اور خواجہ ناظم الدین) مسلم لیگ کے صدر کی حیثیت سے ان کی خدمات سے فائدہ اٹھاتے رہے۔ انتخابی جلسوں میں بارہا احرار لیڈروں نے مرکزی وزراء اور پنجاب اور بہاولپور کے وزراء کے ساتھ ایک پلیٹ فارم پر تقریریں کی ہیں۔ اور خود ان تقریروں میں بھی انہوں نے قادیانی مسئلہ پر اظہار خیال کیا ہے۔ اس پوری مدت میں ہم نے کبھی نہیں سنا کہ احرار اپنی سابق کانگریسیت کی وجہ سے پاکستان کی تخریب کے درپے ہیں۔ یا باہر کی طاقتوں سے ان کا کوئی ساز باز ہے۔ مگر جب انہوں نے حکمران پارٹی کی مرضی کے خلاف یہ تازہ ایجی ٹیشن شروع کیا۔ تو یکایک وہی پارٹی جس کے یہ احرار کل تک سیاسی حلیف تھے۔ اپنے سرکاری بیانات میں ہمیں یہ خبر دینے لگی۔ کہ یہ لوگ تو کبھی پاکستان کے قیام سے راضی ہی نہیں ہوئے۔ اور انہوں نے محض دشمنوں کے اشاروں پر پاکستان کی تخریب کے لئے یہ قادیانی مسئلہ چھیڑا ہے۔ میں اپنی پبلک لائف کے آغاز سے احرار کا سیاسی مخالف رہا ہوں اور ۱۱ ...... کے ساتھ کبھی کوئی حلیفانہ تعلق

نہیں رہا ہے۔ مگر انصاف و دیانت کا تقاضا یہ ہے۔ کہ میں غداری اور بیرونی طاقتوں کے ساتھ ساز باز کے ہر اس الزام کو جو میرے ملک کے کسی شہری پر لگایا جائے۔ اس وقت تک جھوٹا سمجھوں جب تک کہ اس کا ثبوت کسی کھلی عدالت میں دے کر مجرم کو اس کے جرم کی سزا نہ دلوا دی جائے۔ ثبوت اور شہادت کے بغیر کسی شخص یا جماعت کے خلاف اس طرح کے گھناونے الزامات لگانا میرے نزدیک سخت ناجائز ہے۔ اور میں اس کو روسیوں کی ایک بہت ہی مکروہ تقلید سمجھتا ہوں۔ اس لئے جب تک کوئی دوسری بات ثابت ہو۔ میری ایماندارانہ رائے یہ ہے۔ کہ احرار نے قادیانیوں کے خلاف جو ایجی ٹیشن شروع کیا۔ وہ ان کے پچھلے پچیس سالہ جماعتی مسلک کا ایک قدرتی تقاضا تھا۔ مسلم پبلک میں قادیانیوں کے متعلق جو جذبات اور مطالبات موجود تھے۔ ان کو ایک تحریک کے راستے پر ڈالنے کے لئے اس ملک میں اگر کوئی جماعت تھی۔ تو وہ احراری جماعت ہی ہو سکتی تھی۔

جماعتیں مسئلے پیدا نہیں کر سکتیں

۱۱۔ میری اوپر کی تصریحات سے حکومت اور اس کے حامیوں کے اس قیاس کی غلطی بھی واضح ہو جاتی ہے۔ کہ یہ مسئلہ محض مصنوعی طور پر احرار کے اکسانے سے اچانک اٹھ کھڑا ہوا ہے۔ یہ قیاس نہ صرف واقعہ کے خلاف ہے۔ بلکہ عقل کے بھی خلاف ہے۔ واقعات سے قطع نظر محض عقلی حیثیت سے بھی اگر دیکھا جائے۔ تو یہ بالکل ناممکن معلوم ہوتا ہے۔ کہ کوئی جماعت خواہ وہ کیسی ہی مقبول اور طاقتور کیوں نہ ہو۔ کسی ملک کی عام آبادی کو کسی ایسے مسئلے پر بھڑکا سکے۔ جس کے لئے خود اس آبادی میں حقیقی احساسات موجود نہ ہوں۔ جماعتیں مسئلے پیدا نہیں کر سکتیں۔ وہ صرف موجودہ مسائل میں سے کسی مسئلے کو لیکر اس کے متعلق عوام کے دبے ہوئے احساسات کو ابھار سکتی ہیں۔ یا ابھرے ہوئے احساسات کو عمل کار رستہ بتا سکتی ہیں۔

رہا اس معاملے کا واقعاتی پہلو تو در حقیقت وہ سرکاری نظریئے کے بالکل برعکس صورت واقعہ پیش کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ احرار اپنی سابق کانگریسیت کی وجہ سے مسلمانوں میں سخت غیر مقبول ہو چکے تھے۔ اور ان کی یہ حیثیت ہرگز نہ رہی تھی کہ اپنے بل بوتے پر اس ملک میں کوئی عام تحریک برپا کر سکتے۔ مگر قادیانیوں

گے مسئلے پر مسلمانوں کے عام احساسات اتنے تلخ تھے کہ احرار جیسی غیر مقبول جماعت بھی جب ان کی مانگ پوری کرنے کے لئے آگے بڑھی تو شہروں اور دیہات کے لاکھوں عوام ان کے پیچھے لگ گئے۔

شتابہ

۱۱- حالات یہاں تک پہنچ چکے تھے کہ ۱۸ر مئی ۱۹۵۲ء کو قادیانی جماعت نے جہانگیر پارک کراچی میں ایک جلسہ عام منعقد کیا اور اس میں سر محمد ظفر اللہ خان وزیر خارجہ پاکستان نے اعلانیہ شریک ہو کر تقریر کی۔ قیام پاکستان سے پہلے اور بعد یہ پہلا موقعہ تھا جب قادیانیوں نے علی الاعلان پبلک جلسہ کرکے اور عام لوگوں کو اس میں شرکت کی دعوت دے کر ان کے سامنے اپنے مسلک کو پیش کرنے کی جرأت کی تھی۔ ورنہ اس سے پہلے وہ یا تو اپنی جماعت ہی کے جلسے کیا کرتے تھے۔ یا پھر مناظرے کی مجلسوں میں ان کو عوام کے سامنے اپنی بات کہنے کا موقعہ ملتا تھا۔ اس جرأت کے اظہار سے مسلمانوں نے یہ محسوس کیا۔ کہ اب سر ظفر اللہ خان اپنی وزارت کا رعب ڈال کر ہم کو قادیانیت کی دعوت دینا چاہتے ہیں۔ اس پر کراچی میں ایک بڑا ہنگامہ برپا ہو گیا۔ جسے رفع کرنے کے لئے پولیس نے لاٹھی چارج کیا اور شہر میں دفعہ ۱۴۴ لگا دی گئی۔

یہ تھا وہ شتابہ جس نے تمام ملک میں اور خصوصاً پنجاب میں آگ لگا دی اور اسی سے قادیانی مسئلے کے متعلق پبلک ایجی ٹیشن کا آغاز ہوا۔ اس ایجی ٹیشن کی ابتدا کرنے والے بلاشبہ احرار تھے۔ مگر بہت جلدی یہ احرار کا نہیں بلکہ عام مسلمانوں کا ایجی ٹیشن بن گیا اس موقع پر احرار نے جو مطالبات پیش کئے اور جن کی تائید میں ملک کے گوشے گوشے سے خصوصاً پنجاب کے قریے قریے سے آواز اٹھنی شروع ہو گئی۔ وہ یہ تھے:

۱ - قادیانیوں کو مسلمانوں سے الگ ایک اقلیت قرار دیا جائے۔

۲ - سر ظفر اللہ خان کو وزارت خارجہ سے ہٹایا جائے۔

۳ - ربوہ میں جو سرکاری زمین قادیانیوں کو کوڑیوں کے مول دی گئی ہے وہ واپس لی جائے اور اسے ایک خالص قادیانی بستی بننے سے روکا جائے۔

۴ - قادیانیوں کو کلیدی عہدوں سے ہٹایا جائے

قادیانی مسئلہ مصنوعی مسئلہ نہیں ایک حقیقی مسئلہ ہے

۱۳ر مئی ۱۹۵۲ء میں احرار نے پہلی مرتبہ قادیانیوں کے خلاف عام ایجی ٹیشن شروع کیا۔ حکومت نے اس وقت جگہ جگہ دفعہ ۱۴۴ لگا کر لاٹھی چارج کرکے ائمہ مساجد پر دباؤ ڈال کر اسے دبانے کی کوشش کی حتیٰ کہ ملتان میں فائرنگ کی نوبت بھی آئی۔ اس وقت سے لیکر مارچ ۱۹۵۳ء کے آغاز تک میں نے اور جماعت اسلامی نے حکومت کو بار بار یہ بات سمجھانے کی کوشش کی کہ قادیانی مسئلہ ایک مصنوعی مسئلہ نہیں ہے بلکہ ایک حقیقی مسئلہ ہے۔ جس کے نہایت گہرے مذہبی، معاشی سیاسی اور معاشرتی اسباب ہیں۔ اور یہ اسباب پچاس سال سے کام کر رہے ہیں۔ اور پنجاب کے لاکھوں مسلمانوں کی زندگی ان سے متاثر ہے۔ لہٰذا اس کو اوپر سے دبانے کے بجائے اسے سمجھئے۔ اور ٹھنڈے دل و دماغ سے اسے حل کرنے کی کوشش کیجئے۔ اس کے ثبوت میں میرے دو مضامین بیانات اور پمفلٹ اور جماعت اسلامی کی مجلس شوریٰ کے ریزولیشن موجود ہیں۔ جو ماہ جون سے مارچ تک پے درپے شائع ہوتے رہے میں نے پاکستان کی مجلس دستور ساز کو اگست ۱۹۵۲ء میں یہ مشورہ بھی دیا۔ کہ جو دستور اس وقت زیر ترتیب ہے اس میں جس طرح دوسری اقلیتوں کے لئے جداگانہ انتخاب اور نشستوں کا تعین تجویز کیا جارہا ہے اسی طرح قادیانیوں کے لئے بھی کر دیا جائے تاکہ مسلمانوں کی بے چینی رفع ہو جائے اور یہ مسئلہ خواہ مخواہ کسی ہنگامے کا موجب نہ بن سکے۔ یہی رائے جنوری ۱۹۵۳ء میں پاکستان کے ۳۳ سربرآوردہ علماء کی اس مجلس نے بھی دی جو کراچی میں منعقد ہوئی تھی۔ لیکن حکومت نے نہ صرف یہ کہ ان مشوروں کی طرف کوئی توجہ نہ کی بلکہ اس نے خود اپنی طرف سے بھی اس مسئلے کو حل کرنے کیلئے کچھ نہ کیا۔ اس کا رویہ اول روز سے یہی رہا۔ کہ یہ مسئلہ صرف حقارت کے ساتھ رد کر دینے ہی کے قابل ہے۔ اس قابل نہیں ہے کہ اسے سمجھا اور حل کیا جائے

بے تدبیری کا قدرتی ردعمل

۱۴- مئی ۱۹۵۲ء کے بعد سے مسلسل کئی مہینے تک پنجاب اور بہاولپور کے دیہات کا درحقیقت یہ معاشرتی و معاشی مسئلہ تھا ہر صوبے میں اس مسئلے کے متعلق بلا مبالغہ ہزاروں جلسے ہوئے جس میں پبلک کے مطالبات ریزولیوشنوں کی شکل میں پاس ہوئے حکومت کے پاس وفود بھی گئے۔ جنہوں نے براہ راست یہ مطالبات وزیر اعظم کے سامنے پیش کئے۔ مگر ان ساری کوششوں کا جو نتیجہ نکلا۔ وہ یہ تھا۔ کہ ۲۲ر دسمبر ۱۹۵۲ء کو BASIC PRINCIPLES COMMITTEE REPORT شائع ہوئی۔ اس میں سرے سے قادیانی مسئلے کا کوئی حل پیش نہیں کیا گیا تھا۔ اس چیز نے مسلم عوام کے اندر آئینی طریقۂ کار سے عام مایوسی پیدا کر دی اور درحقیقت اسی چیز نے اس غیر آئینی طریقہ کار کے لئے زمین ہموار کی جو بعد میں احرار نے ڈائرکٹ ایکشن کی شکل میں تجویز کیا۔ میں اپنے ذاتی مشاہدے اور تجربے کی بنا پر یہ جانتا ہوں۔ کہ مسلمان فطرتاً شورش پسند نہیں ہیں۔ اور پاکستان کے مسلم عوام تو خصوصیت کے ساتھ یہ احساس رکھتے ہیں کہ خطرات کے درمیان گھرے ہوئے اس ملک میں امن و انتظام کو درہم برہم کرنے والی کوئی تحریک مناسب نہیں ہے اس لئے میں یہ پورے وثوق کے ساتھ کہتا ہوں کہ اگر ایک پبلک مطالبے کو، جس کے بارے میں لوگوں کے اندر تلخ احساسات موجود تھے یوں حقارت کے ساتھ مسلسل نہ ٹھکرایا جاتا۔ اور لوگوں کو آئینی طریقۂ کار سے مایوس نہ کر دیا جاتا۔ تو کوئی جماعت بھی یہاں کے عوام کو ڈائرکٹ ایکشن اور قانون شکنی پر آمادہ کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتی تھی

عام ناراضی کے اسباب

اس مسئلے میں خصوصیت کے ساتھ جن باتوں نے لوگوں کے درمیان عام ناراضی پیدا کی وہ یہ تھیں۔

اوّل یہ کہ حکومت نے اس پوری مدت میں کبھی زبان کھول کر یہ نہیں بتایا کہ اگر وہ ان کے مطالبات قبول نہیں کرتی ہے تو آخر اس کے وجوہ کیا ہیں۔ ایک طرف سے مسلسل ایک مطالبہ ہو، اور عوام جذباتی حیثیت سے اس پر مشتعل ہی نہ ہوں بلکہ دلائل کی بنا پر مطمئن بھی ہوں کہ ان کا مطالبہ معقول ہے دوسری طرف حکومت کوئی وجہ بتائے بغیر اس کو بس یونہی ٹھکرا دے۔ اور عوام کو دلائل سے یہ سمجھانے کی کوئی کوشش نہ کرے کہ ان کا مطالبہ کیوں قابل قبول نہیں ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہی ہو سکتا ہے کہ عوام اس روش کو حکومت کی ہٹ دھرمی اور ہیکڑی سمجھیں اور ان کے اندر اس کے خلاف غصہ پیدا ہو جائے یہ ڈھنگ ڈکٹیٹر شپ میں تو چل سکتے ہیں مگر ایک جمہوری نظام میں خود اپنے بنائے ہوئے حکمرانوں کی طرف سے یہ سلوک برداشت کرنا عوام کے لیے ممکن نہیں ہے۔

دوم یہ کہ حکومت نے ڈائرکٹ ایکشن کا اعلان ہو جانے کے بعد جب زبان کھولی تو ایسے غلط طریقے سے کھولی۔ جو لوگوں کو مطمئن ... کرنے کی بجائے الٹا اور اشتعال دلانے والا تھا۔ ڈائرکٹ ایکشن کی تحریک کے لیڈروں کو گرفتار کرتے ہوئے جو سرکاری کمیونک شائع کیا گیا۔ اور اس کے بعد مارشل لاء کے اجراء کے وقت جو دوسرا کمیونک کراچی سے شائع ہوا۔ ان دونوں میں مخالف احمدیت تحریک کو مسلمانوں کی وحدت ملی میں تفرقہ ڈالنے والی تحریک قرار دیا گیا تھا۔ یہ بات مسلمانوں کے لئے اشتعال انگیز بھی تھی۔ اور بجائے خود نامعقول بھی۔ مشتعل انگیز اس لئے کہ اس میں گویا سرکاری طور پر احمدیوں کے ملت اسلامیہ میں شامل ہونے کا اعلان کر دیا گیا تھا حالانکہ مسلمانوں نے کبھی ان کو اپنی ملت کا جزو نہیں مانا ہے۔ اور تمام اسلامی فرقوں کے علماء بالاتفاق ان کو خارج از ملت قرار دے چکے ہیں۔ نامعقول اس لئے کہ حکومت جس چیز کا اعلان مخالف احمدیت تحریک کو دے رہی تھی۔ درحقیقت وہ خود حکومت پر عاید ہوتا تھا۔ اور اس کو یہ احساس تک نہ تھا۔ کہ اس معاملے میں وہ فی الواقعہ کیا پوزیشن لے رہی ہے۔ مخالف احمدیت تحریک تو کھڑی ہی اس بنیاد پر تھی کہ ملت اسلامیہ کی وحدت کو ان لوگوں کے ہاتھوں پارہ پارہ ہونے سے بچایا جائے۔ جو مرزا غلام احمد صاحب کی نبوت کو نہ ماننے پر تمام کلمہ گو مسلمانوں کو کافر قرار دیتے ہیں۔ اور ان کی نماز جنازہ پڑھنے تک کو ناجائز کہتے ہیں۔ اور انہیں بیٹی دینا ایسا ہی حرام سمجھتے ہیں۔ جیسا یہودی یا عیسائی کو بیٹی دینا حرام ہے۔ اس کے برعکس حکومت کی اپنی پوزیشن یہ تھی کہ وہ ملت اسلامیہ کے اندر ایسے ایک تفرقہ انگیز گروہ کو زبردستی شامل رکھنے پر مصر تھی۔ تاکہ وہ مسلم معاشرے میں مسلسل داخلی انتشار برپا کرتا رہے۔ اور ہر روز ایک نئے خاندان اور ایک نئے گھر میں عقائد اور معاشرت کی پھوٹ ڈال دے۔ مگر جس گناہ کی مجرم حکومت تھی اس کا الزام اس نے الٹا ان لوگوں پر ڈالا جو دراصل دراصل اس گناہ سے باز آجانے کا اس سے مطالبہ کر رہے تھے۔ اس طرح کے غیر معقول بات کو شائع کرتے وقت حکومت نے ذرا نہ سوچا کہ آخر سارا ملک بے وقوفوں سے تو آباد نہیں ہے عام لوگ اس طرح کی باتیں سرکاری اعلانات میں پڑھ کر اپنے حکمرانوں کے متعلق کیا رائے قائم کریں گے۔

سوم۔ یہ کہ حکومت نے اپنے مذکورہ بالا اعلانات میں اس تحریک کو بالکل احراریوں کی ایک تحریک قرار دیا، اور اس کا ذکر اس انداز سے کیا گویا کہ قادیانیوں کو مسلمانوں سے الگ کرنے کا مطالبہ مسلمانوں کا کوئی عام قومی مطالبہ نہیں ہے۔ بلکہ محض چند مٹھی بھر احراریوں کا مطالبہ ہے۔ یہ بات بھی ایسی تھی جس نے عوام میں سخت ناراضی پیدا کی۔ اس میں شک نہیں کہ اس تحریک کا آغاز کرنے والے احرار تھے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ درحقیقت یہ مسلمانوں کی عام قومی تحریک بن گئی تھی۔ اور وہ لاکھوں آدمی اس کے ہمدرد و حامی تھے جو اس سے پہلے احرار کے مخالف اور تحریک پاکستان کے ہمدرد و حامی رہ چکے تھے پبلک نے حکومت کی اس غلط بیانی کو اس رنگ میں لیا کہ جس طرح کبھی انگریزی حکومت ہندوستانیوں کے مطالبہ آزادی کو محض چند کانگرسیوں کا مطالبہ قرار دے کر عوام کو چلنے کی کوشش کرتی تھی، اور جس طرح کبھی ہندو لیڈر مطالبۂ پاکستان کو محض چند لیگیوں کا مطالبہ قرار دے کر مسلمانوں کے ایک قومی مطالبے کو

نظر انداز کیا کرتے تھے۔ وہی چالبازی اب ان کی اپنی قومی حکومت ان کے ساتھ کر رہی ہے۔ اور اس طریقے سے ان کے ایک قومی مطالبے کو محض چند احراریوں کا مطالبہ کہہ کر دبا دینا چاہتی ہے۔

چہارم یہ کہ حکومت نے اپنے ان اعلانات میں اس تحریک کچل دینے کا ارادہ جس لہجے اور جن الفاظ میں بیان کیا اس سے صرف یہی ظاہر نہیں ہوتا تھا کہ وہ ڈائرکٹ ایکشن کو طاقت سے کچلنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ بلکہ یہ بھی مترشح ہوتا تھا۔ کہ اس کو سرے سے قادیانیوں کی مسلمانوں سے علیحدگی کا مطالبہ ہی گوارا نہیں ہے۔ اور یہ کہ وہ ڈائرکٹ ایکشن کے ساتھ اس مطالبے کو بھی کچل دینا چاہتی ہے۔ عوام نے اس کا مطلب یہ لیا کہ حکومت اب سرے سے مطالبہ کرنے کا حق ہی عوام سے چھین لینا چاہتی ہے۔ نیز اس سے مسلمانوں میں یہ بھی عام خیال پیدا ہو گیا کہ حکومت ان کے مقابلے میں اعلانیہ قادیانیوں کی حمایت پر اتر آئی ہے

یہ اسباب تھے جنہوں نے فوری طور پر ڈائرکٹ ایکشن کی آگ پر تیل چھڑکنے کی خدمت انجام دی۔ میرا خیال یہ ہے کہ اگر حکومت نے عوام کو اپنا نقطۂ نظر سمجھانے کی کچھ بھی کوشش کی ہوتی۔ اور سرکاری اعلانات کسی دوسرے معقول اور ٹھنڈے انداز میں مرتب کئے گئے ہوتے۔ تو عوام کے اندر اتنا اشتعال ہرگز پیدا نہ ہوتا۔ یہی نہیں بلکہ میری تو یہ قطعی رائے ہے۔ کہ اگر حکومت نے ڈائرکٹ ایکشن شروع کرنے والے لیڈروں کو گرفتار کرنے کے بجائے۔ یا اس کے ساتھ قادیانی مسئلے کا فیصلہ کرنے کے لئے تمام گروہوں کی ایک راؤنڈ ٹیبل کانفرنس بلانے کا اعلان کر دیا ہوتا۔ تو سرے سے یہ ہنگامہ برپا ہی نہ ہوتا۔

ایں گنا ہیست کہ در شہر شما نیز کنند۔

۱۶۔ ۲۰ر فروری سے جب کہ ڈائرکٹ ایکشن کا آغاز ہوا، ۴ر مارچ تک عوام کے مظاہروں نے اشتعال کے باوجود کہیں بھی۔ بدامنی۔ لوٹ مار۔ قتل۔ آتش زنی یا تخریب کا رنگ اختیار نہیں کیا تھا۔ میں اس زمانے میں نہ صرف لاہور کے حالات سے باخبر رہا ہوں۔ بلکہ پنجاب کے ہر حصے سے میری جماعت کے کارکن مجھ کو ٹیلیفون کے ذریعے سے حالات بتلاتے رہے ہیں میں وثوق کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہوں کہ اس مدت میں عوام نے کوئی ایسا کام نہیں کیا۔ جو وہ اس سے پہلے آج کے حکمرانوں کی قیادت میں سر خضر حیات خاں کی وزارت توڑنے کے لئے نہ کر چکے تھے۔ ان کے نعروں کی زبان، ان کے جلوسوں کا انداز، ان کے سوانگ، بعض شخصیتوں پر ان کے حملے۔ حتیٰ کہ ان کا ڈائرکٹ ایکشن اور ان کا دفعہ ۱۴۴ توڑنا بجائے خود کتنا ہی قابل اعتراض سہی۔ لیکن آخر ان میں سے وہ کونسی چیز تھی۔ جو پہلی مرتبہ ہی ان سے ظہور میں آئی ہو۔ یہ سب کچھ وہ اس سے پہلے خود ان لوگوں کی راہنمائی میں کر چکے تھے۔ جو اس تازہ ڈائرکٹ ایکشن کے موقعہ پر صوبے اور مرکز کی وزارتی کرسیوں پر تشریف فرما تھے۔ کوئی وجہ نہ تھی کہ اب یہ حضرات اپنے ہی کئے اور سکھائے ہوئے کاموں کو ایسا سخت گناہ سمجھ لیتے کہ ان کے خلاف وہ کچھ کرنے پر اتر آتے جو سر خضر حیات خاں نے نہ کیا تھا۔

ذمہ داری تمام تر بارڈر پولیس کے ظلم وستم پر ہے

۱۷۔ ۲ر مارچ تک لاہور میں پولیس کا رویہ بہت نرم تھا مگر اس کے بعد یکایک نہایت بے دردی سے پرامن مجمعوں پر لاٹھی چارج شروع کر دیئے گئے۔ ان لاٹھی چارجوں میں جگہ جگہ نہایت دردناک مناظر دیکھے گئے۔ جن کی وجہ سے شہر کی عام آبادی بھڑک اٹھی اور لاٹھی کا جواب پتھر سے دینے پر اتر آئی۔ اس پر پولیس نے اور خصوصاً بارڈر پولیس نے فائرنگ شروع کیا۔ یہ فائرنگ بالکل اندھا دھند تھا۔ راہ چلتے آدمیوں کو بے قصور مارا گیا۔ دفتروں سے چھٹی پا کر نکلنے والے سرکاری ملازموں اور تعلیم گاہوں سے نکلتے ہوئے طلباء تک پر باڑھیں ماری گئیں۔ انسانوں کو اس طرح شکار کیا گیا۔ جیسے کہ وہ جانور یا پرندے ہیں۔ اس پر سارے شہر میں کہرام مچ گیا۔ بڑے بڑے سرکاری دفتروں کے ملازمین حتیٰ کہ پنجاب سول سکرٹری ایٹ تک کے ملازمین نے احتجاج کے طور پر ہڑتال کر دی۔ حالانکہ سرکاری ملازمین کا ان سے زیادہ ذمہ دار کوئی اور طبقہ نہ ہو سکتا تھا۔ ڈاک تار۔ ٹیلیفون ریلوے۔ غرض اکثر و بیشتر محکموں کے آدمیوں نے اس وقت تک کام کرنے سے انکار کر دیا۔ جب تک فائرنگ کا سلسلہ بند نہ کیا جائے۔ شہر کے باشندوں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میں ایک تھوڑے سے اونچے طبقے کو چھوڑ کر۔ کوئی عنصر ایسا باقی نہ رہا۔ جو اس ظلم کے خلاف غصے اور نفرت سے نہ بھر گیا ہو۔ یہ حالات تھے جب میرے علم کی حد تک ۴ر مارچ کی شام سے بعض لوگوں نے قتل، لوٹ مار۔ آتش زنی۔ اور تخریب کا ارتکاب شروع کیا۔ واقعات کی اس ترتیب کو دیکھتے ہوئے۔ میں پورے انصاف کے ساتھ یہ کہتا ہوں۔ کہ عوام کی طرف سے بدامنی کے یہ جس قدر بھی افعال ہوئے ان کی ذمہ داری ڈائرکٹ ایکشن کی تحریک کے کارکنوں اور رہنماؤں پر نہیں ہے۔ اس کی ذمہ داری تمام تر بارڈر پولیس کے ظلم وستم پر ہے۔ ڈائرکٹ ایکشن کے لیڈروں نے ان حرکات پر لوگوں کو ہرگز نہیں اکسایا۔ بارڈر پولیس کے ظلم نے لوگوں کو دیوانہ کر کے ان سے یہ حرکات کرائیں۔

اصلاح حال کی کوشش

۱۸۔ ۴ر اور ۵ر مارچ کی درمیانی شب کو میں نے مولانا مفتی محمد حسن صاحب۔ اور مولانا داؤد غزنوی کی موافقت سے خواجہ ناظم الدین صاحب کو تار دیا کہ پنجاب کے حالات تیزی سے بگڑ رہے ہیں۔ اگر اب بھی کسی گفت وشنید کی گنجائش ہو تو ہمیں گفتگو کا موقع دیجئے۔ خواجہ صاحب کو معلوم تھا کہ مجھے وزرائے کرام کی کوٹھیوں پر حاضری دینے کا کبھی شوق نہیں رہا ہے۔ اور میں آخری شخص ہو سکتا ہوں جو کبھی کسی وزیر سے خود ملنے کی درخواست کرے انہیں سمجھنا چاہیئے تھا کہ حالات کیسے خراب ہونگے جب کہ میں نے ان سے یہ درخواست کی ہے۔ مگر انہوں نے میرے تار کا جواب تک دینے کی زحمت گوارہ نہ فرمائی۔ ۵ر کی صبح کو میں نے پھر تار دیا کہ حالات ساعت بساعت بگڑ رہے ہیں، میرے تار کا فوراً جواب دیجئے لیکن اس پر بھی کوئی توجہ نہ کی گئی اس سے اس سنگدلی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے جس کے ساتھ پنجاب کے حالات سے عہدہ برآ ہوا جا رہا تھا۔

مسلم عوام سر پھرے نہیں ہیں

۱۹۔ ۵ر مارچ کی سہ پہر کو گورنر پنجاب مسٹر چندریگر نے گورنمنٹ ہاؤس میں ایک کانفرنس بلائی۔ جس میں مجھے بھی مدعو کیا گیا اس کانفرنس میں تقریباً پچاس اصحاب و خواتین کا اجتماع تھا۔ گورنر صاحب نے اپنی تقریر میں حاضرین سے اپیل کی کہ وہ امن قائم کرنے میں حکومت کی مدد کریں۔ میں نے اس کے جواب میں جو کچھ کہا اس کا خلاصہ یہ ہے۔

"بدامنی کی یہ حالت حکومت کی اس غلطی کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے کہ اس نے عوام کے مطالبات کو بغیر کوئی وجہ بتائے ٹھکرا دیا ہے۔ ایک جمہوری نظام میں عوام اس طریقے کو برداشت نہیں کر سکتے۔ اگر حکومت ان مطالبات کو نہ ماننے کے کچھ معقول وجوہ پیش کرتی تو اس ملک کے عوام کچھ ایسے سر پھرے نہ تھے۔ کہ وہ خواہ مخواہ دنگے فساد پر اتر آتے۔ لیکن اس نے سمجھنے سمجھانے کی کوئی کوشش نہ کی۔ اور بس یونہی عوام کے منہ پر ان کے مطالبات مار دیئے۔ اس کے بعد لوگوں میں غصہ پیدا ہونا ایک قدرتی بات ہے۔ اور اب اس غصے کو فرد کرنے کے لئے آپ کی بارڈر پولیس لوگوں پر اندھا دھند گولیاں برسا رہی ہے ان حالات میں آخر امن کی اپیل کیسے کارگر ہو سکتی ہے۔ امن تو اب دو ہی طریقوں سے قائم ہو سکتا ہے۔ یا تو طاقت سے اپنی قوم کو زبردستی دبا دیجئے۔ جس کے لئے آپ کو ہماری مدد کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ کے پاس کافی پولیس اور فوج موجود ہے۔ یا اپنی قوم کو راضی کر کے امن قائم کیجئے۔ جس کی واحد صورت یہی ہے کہ آپ آج رات کو ریڈیو پر اعلان کیجئے کہ وزیر اعظم صاحب عوام کے مطالبات پر گفتگو کرنے کے لئے تیار ہیں۔ اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ چوبیس گھنٹے کے اندر امن قائم ہو جائے گا۔"

میری اس تجویز کو گورنر صاحب نے پسند فرمایا۔ اسی وقت ایک اعلان کا مسودہ تیار کیا گیا۔ اور یہ طے ہوا کہ رات کو وہ ریڈیو پر نشر کیا جائے گا۔ اب یہ مسٹر چندریگر ہی بتا سکتے ہیں کہ یہ تجویز کس بنا پر رہ گئی۔ اور آخر کار کیوں عوام کو راضی کرنے کی بجائے طاقت ہی سے دبا کر امن قائم کرنے کو ترجیح دی گئی۔

مارشل لاء

۲۰۔ یہ تھے وہ حالات جن میں ۶ر مارچ کی دوپہر کو عین نماز جمعہ کے وقت مارشل لاء کا اعلان کیا گیا۔ میرے نزدیک یہ اعلان قطعاً غیر ضروری اور بالکل بے جا تھا۔ اول تو جیسا کہ میں اوپر بیان کر چکا ہوں۔ حالات کو خود حکومت کی ہٹ دھرمی، ضد اور سخت غیر دانشمندانہ پالیسی نے اس درجہ بگاڑا تھا۔ پھر اگر حالات بگڑے بھی تھے۔ تو ان کو بغیر کسی کشت وخون کے درست راہ پر لایا جا سکتا تھا۔ بشرطیکہ حکومت آخر وقت پر ہی مسلمانوں کے ایک تلخ معاشرتی مسئلے ہمدردی کے ساتھ سمجھنے اور سمجھانے پر آمادہ ہو جاتی تاہم اگر طاقت ہی کا استعمال کرنا ضروری سمجھا گیا تھا۔ تو مارشل لاء جاری کرنے کے بجائے صرف دفعہ ۱۲۹ ضابطہ فوجداری کے تحت فوجی امداد لیکر امن قائم کیا جا سکتا تھا۔ ہندوستان میں ۱۹۱۷ء سے لے کر ۱۹۴۶ء تک بے شمار ہندو مسلم فسادات ہوئے جن میں سے بعض میں لاہور کے ہنگاموں میں سے بہت زیادہ قتل وغارت آتش زنی اور لوٹ مار کے واقعات پیش آئے۔ مگر کبھی ان فسادات کو روکنے کے لئے مارشل لاء جاری نہیں کیا گیا ۱۹۲۱ء سے لیکر گاندھی جی کے آخری

QUIT INDIA AGITATION

تک اس برعظیم میں کئی مرتبہ ستیہ گرہ اور سول نافرمانی کی تحریکیں اٹھیں، جو کئی بار تشدد تک بھی پہنچ گئیں۔ اور مؤخر الذکر تحریک میں تو بہت بڑے پیمانے پر تخریبی کارروائیاں کی گئیں مگر اس پوری مدت میں کبھی انگریزی حکومت نے مارشل لاء جاری نہیں کیا۔ لاہور کا ہنگامہ ان تحریکوں کے مقابلے میں بہت کم درجے کا تھا۔ اس ذرا سے ہنگامے کو فرو کرنے کے لئے مارشل لاء جاری کر کے اور پھر اس کو سوا دو مہینے سے زیادہ مدت تک طول دیکر حکومت نے بڑی کم حوصلگی اور پست ہمتی کا ثبوت دیا ہے کوئی ایسی حکومت جس کو اپنی طاقت پر اعتماد ہو ایسے چھوٹے چھوٹے غیر معمولی حالات میں اتنی مضطرب نہیں ہو سکتی۔ کہ اتنے بڑے قدم اٹھانے پر اتر آئے میں اس فعل کو حکومت پاکستان کی محض پست ہمتی اور کم حوصلگی ہی نہیں سمجھتا بلکہ انتہائی سنگدلی بھی سمجھتا ہوں۔ ابھی حال ہی میں محض کرائے بڑھانے پر کلکتے میں جو ہنگامے ہوئے وہ لاہور کے ہنگاموں سے بدرجہا زیادہ سخت تھے ان میں اسلحہ اور بم تک پولیس کے مقابلے میں استعمال کئے گئے۔ اور بڑے پیمانے پر تخریبی کارروائیاں کی گئیں۔ مگر اس ہنگامے کو دبانے کے لئے ہندوستان کی حکومت نے مارشل لاء نہیں لگایا۔ ابھی تھوڑی مدت پہلے پرجا پریشد اور جن سنگھ کی تحریکوں نے بھی وسیع پیمانے پر بدامنی کی حالت پیدا کر رکھی تھی مگر وہاں بھی اس کا مقابلہ مارشل لاء کے ذریعے نہیں کیا گیا حکومت پاکستان نے جس بے دردی کا سلوک اپنی قوم کے ساتھ کیا ہے وہ

اضطرابات کو روکنے اور بعد میں ان سے عہدہ برآ ہونے کے لئے سول حکام کی تدابیر کا کافی یا ناکافی ہونا۔ دوسرے امر تحقیق طلب کے بارے میں مجھے صرف دو باتیں بیان کرنی ہیں:

حکومت پنجاب کی پالیسی

اول یہ کہ فروری کے اختتام تک پنجاب گورنمنٹ کی پالیسی ان اضطرابات کو روکنے کی طرف نہیں بلکہ ان کی سرپرستی اور ہمت افزائی کرنے کی طرف مائل تھی۔ اس پالیسی کے محرکات کیا تھے اور عملاً اندر کیا کچھ ہوتا رہا۔ اس کے متعلق تو میں کوئی بات بھی وثوق کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کیونکہ اس کا میرے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ بعض خاص خاص محکموں کے سرکاری کاغذات کی جانچ سے عدالت کو اصل حقائق معلوم ہو جائیں۔ مگر بظاہر جو کچھ دیکھا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ان اضطرابات کا پورا مواد اعلانیہ حکومت پنجاب کی ناک کے نیچے پکتا رہا اور اس حکومت نے جس کی عملداری میں ذرا ذرا سی باتوں پر پبلک سیفٹی ایکٹ اور دفعہ ۱۴۴ حرکت میں آ جایا کرتے ہیں اس کام میں ذرا مداخلت نہ کی پھر یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ اس کام کو فروغ دینے میں زیادہ تر وہی لوگ پیش پیش تھے جن کے حکومت پنجاب سے مخصوص تعلقات معلوم و عوام ہیں اور جو پنجاب کے پچھلے انتخابات میں مسلم لیگ پارٹی کے سرگرم حامی رہ چکے ہیں مجھے پنجاب کے بعض علاقوں سے یہاں تک بھی اطلاعات ملی ہیں کہ فروری کے آخر تک اضلاع کے حکام خود اس تحریک میں حصہ لینے کے لئے لوگوں کو ابھارتے رہے ہیں۔

دوم یہ کہ جب ڈائرکٹ ایکشن عملاً شروع ہو گیا تو دو تین دن کے اندر ہی یکایک حکومت پنجاب کی پالیسی بدل گئی۔ اور اس نے یکلخت ایسی سختی شروع کر دی جو کافی سے بہت زیادہ تھی۔ اس سے صرف قانون شکنی کرنے والوں ہی پر نہیں بلکہ بالکل بے تعلق عوام پر بھی وحشیانہ ظلم ڈھائے۔ جن کی وجہ سے مختلف مقامات پر عام آبادی سخت مشتعل ہو گئی۔ پھر اپنی بھڑکائی ہوئی اس آگ کو دیکھ کر بہت جلدی سول حکام کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ اور انہوں نے معاملات فوج کے حوالے کرنے میں بڑی بے صبری سے کام لیا۔

۳ - اضطرابات کی ذمہ داری

جو حالات میں نے اوپر بیان کئے ہیں۔ ان کی بنا پر میرے نزدیک ان اضطرابات اور ہنگاموں کی ذمہ داری چار فریقوں پر بالکل برابر برابر تقسیم ہوتی ہے۔

ہنگامے کی ذمہ داری کے چار فریق :۔

۱ - قادیانی جماعت جس نے مسلمانوں میں شامل رہ کر اپنی تکفیر، تبلیغ جداگانہ، تنظیم، معاشرتی مقاطعے اور معاشی کشمکش سے مسلمانوں کے اندر پچاس برس سے مسلسل ایک تفرقہ برپا کر رکھا تھا۔ اور جس نے قیام پاکستان کے بعد اپنے خطرناک منصوبوں کے اظہار اور اپنی جنگجویانہ باتوں سے عوام کو اپنے خلاف پہلے سے زیادہ مشتعل کر لیا۔ حالانکہ اگر وہ عیسائیوں کی پالیسی اختیار کر کے اپنا مذہب الگ بنا لیتے اور مسلمانوں کے معاشرے میں شامل ہو کر تفرقہ انگیزیاں نہ کرتے۔ تو مسلمان اسی طرح ان کے ساتھ رواداری برتتے جس طرح وہ عیسائیوں اور دوسرے مذاہب کے لوگوں سے برتتے ہیں۔

۲ - وہ جنہوں نے لوگوں کو ڈائرکٹ ایکشن کا راستہ دکھایا۔ حالانکہ یہ بالکل بےموقع اور غیر ضروری تھا۔ اور مسلم پبلک کے مطالبے کو منوانے کے لئے آئینی ذرائع کے امکانات ابھی ختم نہیں ہوئے تھے۔

۳ - مرکزی حکومت (جس سے میری مراد مرکزی وزارت ہے) جس نے مئی ۱۹۵۲ء سے مارشل لاء کے اعلان تک مسلسل اپنی غیر دانشمندانہ پالیسی سے معاملات کو بگاڑا۔ اور آخرکار رہنمایانہ بند کا خدا کی تباہی کا سامان کیا۔

۴ - صوبائی حکومت (اور اس سے بھی میری مراد صوبائی وزارت ہے) جس کی دو رخی پالیسی نے ان حالات کو خراب کرنے میں خاص حصہ لیا ہے۔

ان چاروں فریقوں میں سے کسی کا گناہ بھی دوسرے سے کم نہیں ہے۔ اور یہ سب اس کے مستحق ہیں کہ ان پر مقدمہ چلایا جائے۔ اگر یہاں نہ چلے گا۔ تو انشاء اللہ حضرت عزوجل عالم کی آخری عدالت میں چل کر رہے گا۔

۴ - قادیانی مسئلے کے متعلق میرا، اس مسئلہ اور جماعت اسلامی کا طرز عمل

میری پالیسی اور میری رہنمائی میں جماعت اسلامی کی پالیسی تین اجزاء پر مشتمل رہی ہے

اول یہ کہ میں قادیانیوں کو مسلمانوں سے الگ کرنے کا مطالبہ بالکل برحق سمجھتا ہوں۔ اور تمام جائز ذرائع سے اس کو منوانے کی کوشش کرتا رہا ہوں

دوم یہ کہ میں نے کبھی ڈائرکٹ ایکشن کی تائید نہیں کی ہے۔ اپنی امکانی حد تک اس کو روکنے کی پوری کوشش کی ہے۔ میری جماعت نے خود اس میں کوئی حصہ نہیں لیا۔ اور جماعت کے جن افراد نے جماعتی ضبط کو توڑ کر اس میں حصہ لیا ان کو جماعت سے الگ کر دیا گیا۔

سوم یہ کہ میں نے اس قضیے کے آغاز سے لے کر مارشل لاء کے نفاذ تک حکومت کو اس غیر دانشمندانہ پالیسی سے باز رکھنے کی مسلسل کوشش کی ہے۔ جو آخرکار تباہ کن ثابت ہو کر رہی میں ان تینوں اجزاء کی تشریح کر کے اپنی پوزیشن کی وضاحت کروں گا۔

قادیانی گروہ مسلم ملت کا جزو نہیں ہے

۱ - امر اول کے متعلق گزارش یہ ہے۔ کہ میں نے جس چیز کو حق سمجھا ہے۔ دلائل کی بناء پر سمجھا ہے۔ اور اپنے دلائل پوری وضاحت کے ساتھ بیان کئے ہیں۔ بالفرض اگر کسی کے نزدیک وہ چیز حق نہیں ہے۔ جسے میں حق سمجھتا ہوں۔ تو وہ اپنے دلائل دے سکتا ہے۔ مگر ایک جمہوری نظام میں کسی کو بھی یہ حق نہیں پہنچتا۔ خواہ وہ حکومت ہی کیوں نہ ہو۔ کہ وہ کسی معاملے میں مجھ کو ایک رائے رکھنے سے یا اپنی رائے کو معقولیت کے ساتھ بیان کرنے سے۔ یا اس کی تائید میں رائے عام کو ہموار کرنے کی جائز کوشش سے یا اپنی رائے منوانے کی آئینی تدابیر استعمال کرنے سے باز رکھے۔ محض یہ بات کہ جو رائے میں رکھتا ہوں وہی رائے کچھ دوسرے لوگ بھی رکھتے تھے۔ اور انہوں نے اس رائے کو منوانے کے لئے غیر آئینی تدابیر اختیار کیں مجھے قابل الزام بنا دینے کے لئے کافی نہیں ہے۔ جب میں خود اپنے خیالات کی ترویج کے لئے۔ یا اپنے کسی مطالبے کو منوانے کے لئے تشدد یا قانون شکنی کا طریقہ اختیار نہیں کرتا ہیں یقیناً اپنے جائز قانونی حدود کے اندر ہوں۔ اس صورت میں نہ تو میرے دوسرے ہم خیالوں کے غلط فعل کی کوئی ذمہ داری مجھ پر عائد ہوتی ہے۔ اور نہ اپنے خیالات کی ترویج کے لئے جائز ذرائع استعمال کرنے کا حق مجھ سے سلب کیا جا سکتا ہے۔ میں اس وقت تک بھی یہ نہیں سمجھ سکا ہوں کہ اگر کوئی شخص معقول وجوہ اور دلائل کی بنا پر رائے رکھتا ہے کہ قادیانی گروہ مسلم ملت کا ایک جزو نہیں ہے۔ اور اس کی تائید میں وہ خالص علمی استدلال کے ساتھ سنجیدہ اور مہذب زبان میں بحث کرتا ہے۔ اگر کوئی شخص مسلمانوں کے اندر قادیانی گروہ کو شمول کو مسلم ملت کی وحدت و سالمیت کے لئے نقصان دہ سمجھتا ہے۔ اور اپنے ملک کی دستور ساز جلس سے مطالبہ کرتا ہے۔ کہ وہ دستور مملکت میں اس گروہ کو مسلمانوں سے الگ ایک اقلیت قرار دے دے۔ تو آخر وہ جرم کیا ہے۔ جس کا وہ مرتکب ہے پھر کیوں آج ہر اس شخص کی ٹانگ گھسیٹی جا رہی ہے۔ جس نے کبھی قادیانی مسئلے پر گفتگو کی ہے۔ قطع نظر اس سے کہ عملاً اس کا پچھلے اضطرابات سے کوئی تعلق رہا ہو یا نہ رہا ہو

۔ رواداری و ناروا داری کا عجیب مفہوم

حال میں بعض ذمہ داران حکومت کی طرف سے یہ نظریہ پیش کیا گیا ہے۔ کہ ملک کی فلاح و بہبود کے لئے رواداری کی سخت ضرورت ہے۔ اور قادیانی مسئلے پر گفتگو یا قادیانیوں کی علیحدگی کا مطالبہ "ناروا داری" ہے۔ اس لئے حکومت اس کو بجائے خود قابل اعتراض سمجھتی ہے۔ اور اس کا استیصال کرنا چاہتی ہے۔ میں کہتا ہوں۔ کہ یہ رواداری اور ناروا داری کے الفاظ کا ایک استعمال اور ان کے مفہوم کا بالکل ہی ایک نرالا تصور ہے۔ جسے حاکمانہ طاقت سے ہم پر ٹھونسنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اگر کسی نے یہ کہا ہوتا۔ کہ فلاں گروہ کو ملک میں جینے نہ دو۔ یا اس کے شہری حقوق سلب کر لو۔ یا اس کو اپنے مذہب پر عقیدہ اور عمل رکھنے سے زبردستی روک دو۔ تو بلاشبہ یہ ناروا داری ہوتی اور اس طرح کے کسی خیال کی ترویج بجائے خود ایک برائی ہوتی جس کے استیصال کو اپنی پالیسی قرار دینے میں حکومت بالکل حق بجانب تھی۔ لیکن یہاں جس معاملے پر لفظ ناروا داری کو چسپاں کیا جا رہا ہے وہ یہ ہے۔ کہ مسلمان ایک ایسے گروہ کو اپنے معاشرے کا جزو بنا کر نہیں رکھنا چاہتے۔ جو ایک طرف ان کے معاشرے میں شامل بھی ہے۔ اور دوسری طرف تمام مسلمانوں کو کافر کہہ کر۔ اور ان سے معاشرتی مقاطعہ کر کے اور ان کے مقابلہ میں اپنی جماعتی تنظیم اور معاشی جتھ بندی الگ کر کے۔ اپنی تبلیغ سے پیہم اس معاشرے میں اندرونی انتشار بھی برپا کرتا رہا ہے۔ ایسے ایک گروہ کی علیحدگی کے مطالبے کو ناروا داری قرار دینے کے معنی یہ ہیں۔ کہ ہمارے ارباب حکومت کے نزدیک اب ذہن میں "رواداری" کا مطلب اپنی تخریب اور اپنے شیرازہ کی پراگندگی کے اسباب کو خود اپنے اندر پرورش کرنا قرار پایا ہے۔ تصورات کی عجائب آفرینی کا یہی حال رہا تو بعید نہیں۔ کہ کل اسی ناروا داری کے الزام میں ہر وہ شخص ہسپتال سے جیل بھیج دیا جائے۔ جو اپنڈے سائٹس کا آپریشن کرانا چاہتا ہو

تباہی کو روکنے کی بروقت کوشش

پچھلے دنوں حکومت کی طرف سے یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس وقت ملک میں قادیانی مسئلہ پر ہنگامہ برپا تھا۔ اس وقت اس مسئلے میں مسلمانوں کے مطالبے کی صحت کو دلائل سے ثابت کرنا بجائے خود قابل اعتراض تھا کیونکہ اس سے ہنگامے کو تقویت پہنچتی تھی میری طرف سے اس کا جواب یہ ہے۔ کہ اگر پبلک کا ایک مطالبہ اپنی جگہ بالکل معقول بنیادوں پر مبنی ہو۔ اور حکومت سراسر ضد اور ہٹ دھرمی کی بنا پر بغیر کوئی معقول وجہ بتائے اس مطالبے کو رد کرے اور میں اپنی آنکھوں سے دیکھوں کہ حکومت کی اس غلط پالیسی کی وجہ سے ملک میں تباہی آ رہی ہے۔ تو آخر کیوں نہ میں عین وقت پر اس تباہی کو روکنے کے لئے حکومت کے موقف کی غلطی دلائل سے ثابت کروں؟ کیا حکومت یہ چاہتی ہے۔ کہ جب وہ غلطی کر رہی ہو اس وقت کوئی غلطی کو غلطی نہ کہے؟ کیا حکومت کا مطلب یہ ہے۔ کہ وہ بالکل بے جا اور ناروا طریقے سے لوگوں کے سر توڑتی رہے۔ اور ملک میں کوئی اللہ کا بندہ ایسا موجود نہ ہو۔ جو اسے انصاف اور معقولیت کی بات بتلانے والا ہو؟ میرے علم اور میری قوت بحث و استدلال کا آخر فائدہ ہی کیا تھا۔ اگر میں اسے ٹھیک اس وقت استعمال نہ کرتا جب کہ تباہی کو روکنے کے لئے اس کے استعمال کی ضرورت تھی۔ جس مسئلے کو حکومت نے صحیح طریقے سے نہ سمجھ کر اور حل نہ کر کے ملک میں ایک فتنہ برپا کرا دیا تھا۔ اس کی حقیقت اگر میں اسی وقت نہ سمجھاتا جب کہ فتنہ اٹھتا نظر آ رہا تھا تو آخر اس کے سمجھانے کا وقت اور کونسا ہو سکتا تھا؟ میری اس کوشش کو اگر حکومت فتنے میں امداد کرنے سے بیجا طور پر تعبیر کر سکتی تھی۔ تو صرف اس صورت میں جب کہ میں نے اپنی کسی تحریر میں علمی استدلال اور سنجیدہ بحث کے انداز سے ہٹ کر کوئی ایک فقرہ یا لفظ ہی ایسا استعمال کر کیا ہوتا جسے اشتعال انگیز یا منافرت انگیز کہا جا سکتا ہو۔ لیکن میں

چیلنج کے ساتھ کہتا ہوں۔ کہ میری کسی تحریر میں جو میں نے قادیانی مسئلے کے متعلق لکھی ہے۔ ایسا کوئی فقرہ یا لفظ نکال کر نہیں دکھایا جا سکتا۔

ایک اصولی بات:۔

اس سلسلے میں عدالت سے میری درخواست یہ ہے۔ کہ وہ اصولی طور پر دو چیزوں کا فرق واضح کر دے۔ ایک چیز ہے قادیانیوں کی علیحدگی کا آئینی مطالبہ۔ دوسری چیز ہے اس مطالبے کو منوانے کے لئے کوئی غیر آئینی طریقہ اختیار کرنا۔ کیا ان دونوں کو ایک ہی حیثیت میں رکھا جا سکتا ہے؟ اگر نہیں رکھا جا سکتا، تو اس حقیقت کو پوری طرح واضح ہو جانا چاہیئے۔ کیونکہ ان دونوں کو خلط ملط کر کے بہت سے ان لوگوں کو مبتلائے مصیبت کیا گیا ہے۔ اور کیا جا رہا ہے۔ جنہوں نے اس مطالبے کو منوانے کے لئے کبھی کوئی غیر آئینی طریقہ اختیار نہیں کیا۔ مگر آئینی اور جمہوری طریقوں سے وہ اس کو منوانے کی ضرور کوشش کرتے رہے ہیں۔

واقعات کی صحیح صورت اور تاریخی ترتیب

۲۔ امر دوم کے متعلق میں واقعات کو ان کی صحیح صورت میں تاریخی ترتیب کے ساتھ عدالت کے سامنے رکھ دیتا ہوں۔ پھر یہ رائے قائم کرنا عدالت کا کام ہے۔ کہ ڈائرکٹ ایکشن کے ساتھ میرا اور میری جماعت کا تعلق کیا تھا اور کیا نہ تھا۔

مئی ۱۹۵۲ء میں جب احرار نے قادیانی مسئلے پر ایجی ٹیشن کا آغاز کیا۔ اس وقت جماعتِ اسلامی کی رائے یہ تھی۔ کہ قادیانیوں کو مسلمانوں سے الگ کر کے ایک مستقل اقلیت قرار دینے کا مطالبہ بجائے خود صحیح ہے۔ مگر اس وقت جبکہ ملک کا دستور بن رہا ہے، مسلمانوں کی توجہ کسی ضمنی مسئلے کی طرف پھیر دینا درست نہیں ہے۔ اس وقت تمام کوششوں کو ایک صحیح اسلامی دستور بنوانے پر مرکوز کئے رکھنا چاہیئے۔ اور دستور ہی میں قادیانی مسئلے کو بھی حل کرانا چاہیئے۔ یہی رائے جماعت اسلامی کی مجلس شوریٰ نے اپنے جون ۱۹۵۲ء میں ایک ریزولیوشن میں ظاہر کی تھی۔

جولائی ۵۲ء میں احرار نے لاہور میں تمام مذہبی جماعتوں کی ایک کنونشن منعقد کی۔ اور اس میں جماعت اسلامی کو بھی دعوت دی۔ جماعت کی طرف سے مولانا امین احسن صاحب اور ملک نصر اللہ خاں صاحب عزیز اس میں شرکت کے لئے بھیجے گئے۔ اور انہوں نے وہاں جماعت کے نقطۂ نظر کی ترجمانی کر دی۔ اس کنونشن میں پنجاب کے لئے ایک مجلس عمل بنائی گئی۔ اور اس میں جماعتِ اسلامی کو بھی دو نشستیں پیش کی گئیں۔ مگر جماعت نے اس مجلس میں شرکت قبول نہ کی

آئینی طریقِ کار کی پابندی

مئی سے جولائی تک پنجاب میں جو اضطرابات رونما ہوئے۔ ان کو اور خصوصاً ملتان کے ہنگامے کو جماعتِ اسلامی نے سخت تشویش کی نگاہ سے دیکھا۔ اور اس کے دو وجوہ تھے۔ ایک یہ کہ اس ہنگامہ خیزی سے عوام کی ذہنیت بگڑ رہی ہے۔ اور عوامی تحریکات کا رخ شورش کی طرف مائل ہوتا جا رہا ہے۔ جس کی وجہ سے ملک میں کسی سنجیدہ اور معقول تحریک کے لئے کام کرنا مشکل ہو جائے گا۔ دوسرے یہ کہ ایک ضمنی مسئلے نے عوام کی توجہ کو دستور کے بنیادی مسئلے سے ہٹا دیا ہے۔ اور اس حالت میں اگر کوئی غلط دستور بن جائے۔ تو اس کا خمیازہ ملک کو ایک مدت دراز تک بھگتنا پڑے گا۔ ان دونوں پہلوؤں پر اچھی طرح غور کرنے کے بعد ہم نے اگست ۵۲ء کے آغاز میں یہ طے کیا۔ کہ ہم اسلامی دستور کے لئے جو جدوجہد کر رہے ہیں۔ اس کے مطالبات میں قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے کا مطالبہ بھی شامل کر لیا جائے۔ اس تدبیر سے ہمارے پیش نظر دو مقصد تھے۔ ایک یہ کہ عوام کے لئے قادیانی مسئلے پر الگ جدوجہد کرنے کی ضرورت باقی نہ رہے۔ اور ان کی توجہ دستور کے مسئلے پر مرکوز کی جا سکے۔ دوسرے یہ کہ عوام کی ذہنیت کو شورش اور ہنگامے سے ہٹا کر آئینی جدوجہد کی طرف موڑ دیا جائے۔ ان دونوں مقاصد کو میں نے ایک بیان میں واضح کر دیا تھا۔ جو روزنامہ "تسنیم" کی ۱۳ر اگست ۵۲ء کی اشاعت میں شائع ہوا۔

اگست کے اواخر یا ستمبر کے اوائل میں مولانا عبدالحلیم صاحب قاسمی ناظم جمعیۃ علماء اسلام پنجاب مجھ سے ملے۔ اور انہوں نے مجھ سے کہا۔ کہ آل مسلم پارٹیز کنونشن پنجاب نے جو مجلس عمل بنائی ہے۔ اس میں ایسے عناصر کا غلبہ ہے۔ جن کا رجحان قادیانی مسئلے کو شورش اور ہنگامے کے ذریعے سے حل کرنے کی طرف ہے۔ اور ہم لوگ جو اس تحریک کو غلط رُخ پر جانے سے روکنا چاہتے ہیں۔ قلیل تعداد میں ہیں۔ اس لئے ہم چاہتے ہیں۔ کہ جماعت اسلامی مجلسِ عمل میں اپنے نمائندے بھیجنا قبول کرلے۔ تاکہ ہمارے ہاتھ مضبوط ہوں۔ اور ہم اس خطرے کی روک تھام کر سکیں۔ میں نے محسوس کیا۔ کہ ان کی اس بات میں وزن ہے۔ اور اسی بنیاد پر میں نے جماعتِ اسلامی کے دو نمائندے مجلسِ عمل کے لئے نامزد کئے۔ جنہوں نے مجلس کے دوسرے سنجیدہ عناصر کے ساتھ تعاون کر کے متعدد مواقع پر غلط رجحانات کا سدِّباب کیا۔

واقعات سے ثابت ہے۔ کہ اگست سے لے کر جنوری تک پھر کوئی شورشی تحریک قادیانی مسئلے کے متعلق نہ اٹھ سکی۔ میں کہہ سکتا ہوں۔ کہ اس اصلاحِ حال میں جماعت کی مذکورہ بالا دو تدبیروں کا بھی بہت بڑا حصہ تھا۔

دسمبر ۵۲ء میں مجلس دستور ساز کی BASIC PRINCIPLE COMMITTEE کی رپورٹ شائع ہوئی۔ اور اس میں قادیانی مسئلے کا کوئی حل تجویز نہیں کیا گیا تھا۔ اس فروگذاشت نے ان کوششوں کو سخت نقصان پہنچایا۔ جو ہماری طرف سے اسی تحریک کو آئینی طریقِ کار کا پابند رکھنے کے لئے کی جاری تھیں۔

جنوری ۵۳ء کے دوسرے ہفتے میں پاکستان کے ۳۳ سربرآوردہ علماء کا ایک اجتماع B.P.C REPORT پر غور کرنے کے لئے کراچی میں منعقد ہوا۔ اس اجتماع کا ایک رکن میں بھی تھا۔ علماء نے اس اجتماع میں رپورٹ کا تفصیلی جائزہ لیا۔ اور اس کے دستوری خاکے میں بہت سی ترمیمات و اصلاحات تجویز کیں جن میں سے ایک اصلاح یہ بھی تھی۔ کہ رپورٹ میں جن اقلیتوں کے لئے جداگانہ انتخاب اور نشستوں کا تعین تجویز کیا گیا ہے۔ ان میں قادیانیوں کو بھی شامل کر دیا جائے۔

اسی ماہ جنوری کے وسط میں کراچی ہی میں پورے پاکستان کی ایک آل مسلم پارٹیز کنونشن منعقد ہوئی۔ جس کا مقصد "تحفظ ختم نبوت" کے مسئلے پر غور کرنا تھا۔ مجھے بھی اس میں دعوت دی گئی تھی۔ میں نے کنونشن کی سب جیکٹس کمیٹی میں یہ تجویز پیش کی۔ کہ جب علماء نے B.P.C REPORT پر اپنی ترمیمات میں قادیانی مسئلے کے آئینی حل کو شامل کر لیا ہے۔ تو اس مسئلے کے متعلق کوئی علیحدہ جدوجہد کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ صرف وہی ایک جدوجہد تمام مقاصد کے لئے کافی ہے۔ جو علماء کی تجویز کردہ ترمیمات کو منظور کرانے کے لئے کی جائیگی۔ طویل مباحثے کے بعد سب جیکٹس کمیٹی نے میری اس رائے کو مان لیا۔ مگر کھلے اجلاس میں کنونیشن نے اسے رد کر دیا۔

اس کے بعد میں نے کنونیشن میں دوسری تجویز یہ پیش کی کہ پورے پاکستان میں ایک مرکزی مجلس عمل بنائی جائے۔ اور صرف وہی "تحفظ ختم نبوت" کے لئے پروگرام بنانے اور دوسرے اقدامات تجویز کرنے کی مجاز ہو۔ اس مجلس کے سوا کسی اور کو بطور خود کوئی قدم اٹھانے کا اختیار نہ ہونا چاہیئے۔ میری یہ تجویز مان لی گئی۔ اور پندرہ ارکان کی ایک مرکزی مجلس عمل بنا دی گئی۔ جس میں سے آٹھ ارکان اسی وقت منتخب کر لئے گئے۔ اور طے ہوا۔ کہ سات ارکان بعد میں اس کے اندر شامل کئے جائیں۔ جو ارکان وہاں منتخب کئے گئے تھے۔ ان میں سے ایک میں بھی تھا۔ اس مرکزی مجلس عمل کا کوئی اجلاس ۲۶ر فروری تک نہیں ہوا۔ اس میں جو سات مزید ارکان شامل کئے جانے تھے۔ وہ بھی شامل نہیں کئے گئے۔ جس کے معنی یہ ہیں۔ کہ مجلس کی ترکیب ہی مکمل نہیں ہوئی، اور جیسا کہ میں اوپر بتا چکا ہوں۔ کنونیشن کے مقصد پر عمل کرنے کے لئے پروگرام بنانے کی مجاز صرف یہی مجلس تھی۔ اس لئے ۱۷ر جنوری سے ۲۶ر فروری تک کنونیشن کی ممبر جماعتوں میں سے بعض نے جتنی بھی کارروائیاں کیں۔ وہ سب خلاف ضابطہ تھیں۔ ۲۳ر جنوری کو جو وفد وزیر اعظم سے ملا۔ وہ ان چند جماعتوں کا خود ساختہ تھا۔ کنونیشن نے یا مرکزی مجلس عمل نے اس وفد کو ترتیب نہیں دیا تھا۔ اس وفد نے وزیر اعظم کو ایک مہینے کا جو نوٹس دیا۔ اور مہینہ گذرنے کے بعد ڈائرکٹ ایکشن شروع کرنے کا جو اعلان کیا۔ اس کے لئے کسی نے اس کو مجاز نہیں کیا تھا۔ اس کے بعد پنجاب آکر ان جماعتوں نے ڈائرکٹ ایکشن کی جو تیاریاں شروع کیں۔ وہ سب کنونیشن کے فیصلوں کے بالکل خلاف تھیں۔

میں نے ان بے ضابطگیوں کے خلاف سخت اعتراض کیا۔ ۱۳ر فروری کو مجلس عمل پنجاب کا جو اجلاس ہوا۔ اس میں میں نے اپنے اعتراضات تحریری صورت میں ملک نصر اللہ خاں صاحب عزیز کے ذریعے سے بھیجے اور یہ مطالبہ کیا کہ مرکزی مجلس عمل کا اجلاس منعقد کیا جائے۔ اور تمام کارروائیوں کو اس وقت تک روک دیا جائے۔ جب تک مجلس کا یہ اجلاس منعقد نہ ہو۔ اس پر طے ہوا۔ کہ ۱۷ر فروری کو مرکزی مجلس عمل کا اجلاس منعقد کیا جائے۔ مگر ۱۷ کو کوئی اجلاس نہ ہوا۔ اور میں نے دوبارہ اپنے اعتراضات تحریری صورت میں میاں طفیل محمد صاحب سکرٹری جماعت اسلامی اور ملک نصر اللہ خاں صاحب عزیز کے ذریعے سے مجلس عمل پنجاب کو بھیجے۔ آخرکار ۲۶ر فروری کی تاریخ مرکزی مجلس عمل کے اجلاس کے لئے مقرر ہوئی۔

۱۹ر فروری کو میری ہدایت کے مطابق جماعت اسلامی کے سیکرٹری نے اعلان کیا کہ مجلس عمل پنجاب کی طرف سے ڈائرکٹ ایکشن کے لئے جن حلف ناموں پر دستخط کئے جا رہے ہیں۔ ان پر جماعت اسلامی کا کوئی رکن دستخط نہ کرے۔ اور یہ کہ کسی پروگرام کو اس وقت تک قبول نہ کیا جائے جب تک کہ وہ مرکزی مجلس عمل کا بنایا ہوا نہ ہو۔

۲۶ر فروری کو کراچی میں مرکزی مجلس عمل کا پہلا اجلاس منعقد ہوا۔ اور میری طرف سے اس میں سلطان احمد صاحب امیر جماعت اسلامی کراچی و سندھ شریک ہوئے میں نے پھر وہ اعتراضات جو ان بے قاعدگیوں پر مجھے تھے۔ تحریری صورت میں سلطان احمد صاحب کے ذریعے سے بھیجے اور مطالبہ کیا۔ کہ ڈائرکٹ ایکشن کا جو پروگرام بالکل خلاف ضابطہ بنایا گیا ہے۔ اس کو منسوخ کر دیا جائے۔ اور سلطان احمد صاحب کو یہ ہدایت کی کہ اگر یہ بات نہ مانی جائے۔ تو وہ مرکزی مجلس عمل سے جماعتِ اسلامی کی علیحدگی کا اعلان کر دیں۔ مگر وہاں سرے سے مرکزی مجلس عمل ہی توڑ دی گئی۔ اور ایک نئی ڈائرکٹ ایکشن کمیٹی بنائی گئی۔ جس نے دوسرے ہی روز سے ڈائرکٹ ایکشن شروع کرنے کا اعلان کر دیا۔ اس نئی مجلس میں نہ میں شامل تھا۔ اور نہ جماعت اسلامی کا کوئی اور شخص۔

ڈائرکٹ ایکشن سے جماعت اسلامی کی بے تعلقی

۴ر اور ۵ر مارچ کو جماعت اسلامی کی مجلس شوریٰ کا اجلاس لاہور میں منعقد ہوا۔ اور اس نے ڈائرکٹ ایکشن سے جماعت اسلامی کی قطعی بے تعلقی کا فیصلہ کیا۔ اسی موقع پر میں نے پنجاب کے تمام اضلاع سے جماعت کے ذمہ دار کارکنوں کو لاہور بلا کر ہدایات دیں، کہ وہ جماعت کے ارکان کو اس تحریک سے بالکل علیحدہ رکھیں۔ اس کے بعد صرف دو مقامات سے مجھے اطلاع ملی۔ کہ جماعت کے دو ارکان نے ڈائرکٹ ایکشن میں

حصہ لیا ہے۔ اور میں نے فوراً ان دونوں کو جماعت سے خارج کر دیا

اس پوری مدت میں میرے یا جماعت اسلامی کے کسی فعل سے یہ ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ کہ ان اضطرابات کی ذمہ داری میں ہمارا کوئی ادنےٰ سا حصہ بھی ہے۔ اس کے باوجود جس طرح مجھے اور جماعت کے بہت سے ارکان کو خواہ مخواہ اس کی ذمہ داری میں گھسیٹا گیا ہے۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے ایک شخص سڑک سے ہٹ کر کھیتوں میں جا کھڑا ہوا۔ اور دوسرا شخص وہاں موٹر لے جا کر اس کو ٹکر دے۔

حکومت

(۴) امر سوم کے متعلق میں اپنے وہ تمام بیانات اور مضامین اور جماعت اسلامی کے وہ سب ریزولیوشن جو قادیانی مسئلے سے متعلق جون ۱۹۵۲ء سے ۶ مارچ ۱۹۵۳ء تک شائع ہوئے ہیں اس بیان کے ساتھ منسلک کر رہا ہوں۔ ان کو دیکھ کر معلوم کیا جاسکتا ہے۔ کہ میں نے اور میری جماعت نے کامل دس مہینے تک کس کس طرح حکومت کو اس مسئلے کی حقیقت سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ اور اسے تدبر و معاملہ فہمی کے ساتھ حل کرنے کا مشورہ دیا ہے میں ان تحریروں کے متعلق خود کچھ کہنے کی بجائے اس امر کا فیصلہ عدالت پر چھوڑتا ہوں کہ جس شخص اور جماعت کی یہ تحریریں ہیں۔ اس کی نیت آیا اس ملک کے ایک اجتماعی مسئلے کو معقولیت کے ساتھ حل کروانے کی تھی یا کسی قسم کا فتنہ برپا کرنے کی۔ اور یہ کہ وہ لوگ کس ذہنیت کے مالک تھے جنہوں نے آخر وقت تک اس مسئلے کو ناخن تدبیر سے حل کرنے کی بجائے طاقت ہی سے دبانے پر اصرار کیا۔ اور آخر کار کشت و خون برپا کر کے ہی چھوڑا

قادیانیوں کو مشورہ

اس بیان کو ختم کرنے سے پہلے میں یہ بات بھی عدالت کے علم میں لانا چاہتا ہوں کہ میں نے جس طرح حکومت کو اس کی غلط پالیسی سے اور ڈائرکٹ ایکشن کے لیڈروں کو ان کے غلط فیصلے سے روکنے کی آخر وقت تک کوشش کی ہے۔ اسی طرح میں قادیانیوں کو بھی ان کی غلطی سمجھانے اور صحیح مشورہ دینے کی پوری کوشش کرتا رہا ہوں۔ گزشتہ ماہ جولائی میں شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ لاہور مولوی ابو العطاء جالندھری اور جناب شمس صاحب کو میں نے سمجھایا تھا کہ جو باتیں انگریزی دور میں نبھ گئیں۔ وہ اب اس آزادی کے دور میں جبکہ جمہوری حکومت کے اختیارات مسلم اکثریت کے ہاتھ میں ہیں زیادہ دیر تک نہ نبھ سکیں گی۔ لہذا قبل اس کے کہ آپ کی جماعت اور مسلمانوں کے تعلقات کی تلخی میں مزید اضافہ ہو۔ آپ لوگ معاملہ فہمی اور تدبر سے کام لیتے ہوئے دو صورتوں میں سے کسی ایک صورت کو اختیار کر لیں۔ یا تو اپنے عقائد اور طرز عمل میں ایسی ترمیم کیجئے کہ جس سے مسلمان آپ کو اپنے اندر شامل رکھنے پر راضی ہو سکیں۔ یا پھر خود ہی مسلمانوں سے الگ ہو کر ایک مستقل اقلیت کی حیثیت سے اپنے لئے وہی حقوق حاصل کیجئے جو پاکستان میں دوسری اقلیتوں کو حاصل ہیں۔ مگر افسوس کہ انہوں نے میرے اس دوستانہ مشورے کو قبول نہ کیا۔ پھر مارشل لا کے زمانے میں ۲۰ مارچ کے قریب خواجہ نذیر احمد صاحب ایڈووکیٹ لاہور سے میری ملاقات ہوئی۔ اور ان سے میں نے کہا کہ آپ مرزا بشیر الدین محمود صاحب سے خود جا کر ملیں۔ اور ان کو مشورہ دیں۔ کہ اگر وہ واقعی مسلمانوں سے الگ ہونا پسند نہیں کرتے۔ اور چاہتے ہیں کہ ان کی جماعت اس ملت کا ایک جزو بن کر رہے۔ تو وہ صاف الفاظ میں حسب ذیل تین باتوں کا اعلان کر دیں۔

(۱) یہ کہ وہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو اس معنے میں خاتم النبیین مانتے ہیں کہ حضور کے بعد کوئی اور نبی مبعوث ہونے والا نہیں ہے۔

(۲) یہ کہ مرزا غلام احمد صاحب کے لئے نبوت یا کسی ایسے منصب کے قائل نہیں ہیں جسے نہ ماننے کی وجہ سے کوئی شخص کافر ہو۔

(۳) یہ کہ وہ تمام غیر احمدی مسلمانوں کو مسلمان مانتے ہیں۔ اور احمدیوں کے لئے ان کی نماز جنازہ پڑھنا ان کے امام کی اقتدا میں نماز ادا کرنا ان کو بیٹیاں دینا جائز سمجھتے ہیں۔

میں نے خواجہ صاحب سے کہا کہ اگر آج مرزا صاحب ان باتوں کا واضح طور پر اعلان کر دیں۔ تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں۔ کہ یہ سارا جھگڑا فوراً ختم ہو جائے گا۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ خواجہ صاحب میری اس تجویز کو لے کر مسٹر چندریگر سے ملے۔ اور انہوں نے نہ صرف اس سے اتفاق کیا بلکہ اس تجویز میں خود بھی بعض الفاظ کا اضافہ کیا پھر مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ خواجہ صاحب نے ربوہ جا کر اس پر مرزا صاحب سے گفتگو کی۔ اور مرزا صاحب نے وعدہ کیا۔ کہ وہ اپنی جماعت کی مجلس شوریٰ بلا کر اس پر غور کریں گے۔ مگر اسی دوران میں میری گرفتاری عمل میں آگئی۔ اور بعد کی کوئی اطلاع مجھے نہ مل سکی۔ غالباً مرزا صاحب نے یہ دیکھ کر کہ حکومت پوری طاقت سے ان کی حمایت اور مسلمانوں کی سرکوبی کر رہی ہے۔ میری اس تجویز کو درخور اعتنا نہ سمجھا ہوگا۔ کیونکہ اس وقت تک ان کی طرف سے ایسا کوئی اعلان شائع نہیں ہوا۔ جس میں ان تین باتوں کی تصریح ہو۔

بہر حال میری ان کوششوں سے یہ بات عیاں ہے کہ میں نے اپنی حد تک اس نزاع کے تینوں فریقوں کو مصالحت پر آمادہ کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی ہے مگر ہر فریق نے مجھے ان کوششوں کی وہ بڑی سے بڑی سزا دی جو وہ دے سکتا تھا۔ ایک فریق نے بھرے جلسوں میں متعدد بار عوام کو میرے خلاف بھڑکایا۔ یہاں تک کہ ۶ مارچ کی صبح کو ایک مشتعل مجمع میرے مکان پر چڑھ آیا۔ دوسرے فریق نے پانچ واجب القتل "خونی ملاؤں" میں مجھے بھی شمولیت کا شرف عطا کیا۔ تیسرے فریق نے مجھے گرفتار کر کے میرا کورٹ مارشل کرایا اور مجھے پہلے سزائے موت اور پھر چودہ سال قید با مشقت کی سزا دلوائی۔

میں تصدیق کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا بیان میں جو باتیں درج کی گئی ہیں وہ میری بہترین اطلاع، جس پر میں یقین کرتا ہوں، کے مطابق صحیح و درست ہیں

ابو الاعلیٰ مودودی

سنٹرل جیل لاہور ۲۹ جولائی ۱۹۵۳ء

Attested

Hafiz [illegible]

Superintendent Central Jail Lahore
29/7/53

من انصاری الی اللہ

بعض دوست بوجہ عدم استطاعت پرچہ خرید نہیں سکتے۔ اور دفتر ہذا کو مفت پرچہ جاری کرنے کے لئے لکھتے ہیں۔ ایسے احباب کی اعانت کے لئے دفتر ہذا نے ایک اعانت فنڈ کھولا ہوا ہے۔ جسمیں وقتاً فوقتاً صاحب توفیق دوست رقوم بھجواتے رہتے ہیں اللہ تعالےٰ انہیں جزائے خیر دے۔ اور ان کے نیک ارادوں اموال اولاد میں برکت عطا کرے آمین

آجکل اس فنڈ میں گنجائش ختم ہو چکی ہے۔ اس لئے ان دوستوں کی خدمت میں جنہیں اللہ تعالےٰ نے وسعت دی ہے التماس ہے کہ وہ اپنے غریب بھائیوں کی روحانی سیرابی کے لئے اعانت فنڈ میں رقوم بھجوائیں۔ رقوم کے لئے کوئی شرح مقرر نہیں جس قدر بھی توفیق ہو اس کارِ خیر میں حصہ لیں۔ اگر چند آنے بھجوانا چاہیں تو لفافہ میں بصورت ٹکٹ بھجوا سکتے ہیں۔ مگر نیکی میں ضرور شامل ہوں۔ کہ یہ صدقہ جاریہ ہے اور کوئی علم نہیں کہ اللہ تعالےٰ کس نیک عمل کی جزا میں اخروی رضا کی چادر پہنا دے

منیجر المصلح